ماہنامہ

محدث

بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۷۵

جلد: ۳۳ ، شمارہ: ۳

جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ = مارچ ۲۰۱۵ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱- درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲- درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳- افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۷
۴- حقیقتِ شرک	عبدالولی عبدالقوی	۹
۵- بلد حرام کے فضائل اور......	محمد اسلم مبارک پوری	۱۶
۶- دعوت کا نبوی طریقہ	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی	۲۲
۷- مولانا ابوطاہر فاضل بہاری..	مولانا محمد ایوب سلفی	۲۷
۸- فساد فی الارض: مفہوم، اقسام..	اسامہ صغیر سلفی	۳۱
۹- امام احمد بن حنبل اور......	حافظ عبدالرحمٰن محمد یونس سلفی	۳۷
۱۰- نماز باجماعت کے فوائد	محبوب عالم سمیع اللہ مدنی	۴۱
۱۱- تعلیم نسواں اور تربیت کا فقدان	رفیع احمد	۴۳
۱۱- اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۲- عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۶
۱۳- باب الفتاویٰ	دارالافتاء	۴۷

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

بروز قیامت انسان کے اختیار واپس لے لیے جائیں گے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْماً عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيراً، وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلاً، يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَاناً خَلِيلاً، لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولاً﴾. (سورہ فرقان:۲۶-۲۹)

اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہوگی اور وہ کافروں پر (سخت) مشکل دن ہوگا، اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو (کھجلاہٹ میں) کاٹ کاٹ کر کہے گا ہائے کاش میں نے پیغمبر کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے میری بربادی! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے ہی مجھے نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔ اور شیطان انسان کو دھوکا دینے والا ہے۔

دنیا میں اللہ تعالی نے انسان کو خلافت عطا کی ہے، جیسا کہ اللہ نے فرشتوں کو بتلایا تھا کہ ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (سورہ بقرہ:۳۰) میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ دنیا کی تمام چیزیں انسان کے قابو میں کردی گئی ہیں۔ جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنی ضروریات کے مطابق استعمال میں لاتا ہے۔ دنیا میں انسان کے مختلف درجات ہیں۔ کوئی امیر ہے کوئی فقیر، کوئی حاکم ہے تو کوئی محکوم، کوئی آقا ہے تو کوئی غلام۔ ہر انسان چاہے وہ جس مرتبہ اور مقام کا ہو، وہ کسی نہ کسی پر اپنا حکم چلاتا ہے۔ بادشاہ ہو، افسر ہو، والد، ٹیچر ہو، دوکان دار ہو، پیشہ ور ہو۔ غور کریں اس خلافت کا اثر اس پر ہے۔ دنیا میں بہت طرح کی حکومتیں چل رہی ہیں اور انسان ایک دوسرے سے مدد لیتا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ قیامت کے دن سچی حکومت اور بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی۔ اس دن یہ خلافت ارضی ختم ہوجائے گی۔ ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (سورہ ابراہیم:۴۸) جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، سب اللہ کے حضور پیش ہوں گے، (جو اللہ)

اکیلا اور زبردست بارعب ہوگا۔ نہ یہ زمین رہے گی اور نہ یہ آسمان اور نہ ہی کسی پر کسی کی ملکیت ہوگی اور نہ ہی کوئی ساتھی ومددگار رہوگا۔ سب کے ہاتھ میں دنیاوی زندگی کے نامۂ اعمال ہوں گے اور ہر کوئی اپنے انجام کو لے کر پریشان اور گھبرایا ہوا ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے روز محشر میں پیش آنے والے تمام کاموں کی تفصیل اور انسان کے ساتھ پیش آنے والے معاملات، جنت وجہنم کا پورا نقشہ اور اس کی ہیئت وکیفیت اور ان میں داخلہ کے بعد ابدی زندگی کیسی ہوگی اس کی تفصیل بھی بتلا دیا ہے۔

اللہ انسان کا خالق ہے اور قرآن مجید اس کا کلام ہے جو آخری پیغمبر محمد ﷺ کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لیے ہمارے درمیان موجود ہے۔ اور اس کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے۔ بروز قیامت کوئی عذر قبول نہ ہوگا، کیونکہ یہ دنیا میں اللہ کی طرف سے بطور حجت اور برہان کے موجود ہے اور موجود رہے گا۔

شیطان کا کام ہے انسان کو دھوکہ میں مبتلا کرنا، اس نے اس دن قسم کھا کر اللہ سے مہلت مانگی تھی کہ ہم کو قیامت کے واقع ہونے تک مہلت دیجئے، جب اللہ نے اس پر نافرمانی کی وجہ سے اپنی لعنت بھیجی، وہ سمجھ گیا کہ اللہ کی لعنت کا کیا مطلب ہوتا ہے، اس لیے اس نے عہد کیا کہ ہم اپنے ساتھ انسان کو بھی جہنم میں لے جائیں گے۔ اس اول دن سے یہ انسان کا دشمن ہے اور اس کو طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر کے آخرت سے غافل کئے ہوئے، اور غفلت میں ایک انسان دوسرے غافل انسان کو دیکھ کر اسی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ دنیا میں غفلت کی زندگی گزارنے کے بعد جب بروز قیامت اللہ کے سامنے اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ پیش ہوگا، تو دنیا کی دوستی اور نقالی سمجھ میں آجائے گی۔ اس دن کی حکومت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہوگی، وہ رحمٰن ہے، سب کے نامۂ اعمال کا بدلہ انصاف کے ساتھ دلائے گا۔ اچھے اور فرماں بردار بندں کا ٹھکانا جنت میں اور بداعمال ونافرمان لوگوں کا مسکن جہنم ہوگا۔

اللہ ہم کو اپنی رحمت سے دنیا میں نیک بنادے تاکہ رحمٰن کے حضور اس کی رحمت کے مستحق بن سکیں، آمین۔

☆☆☆

درس حدیث

خطرات سے محفوظ رہنے کا ایک نایاب نسخہ

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، لَمْ تُصِبْهُ فُجْأَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُصْبِحَ، وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، لَمْ تُصِبْهُ فُجْأَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُمْسِيَ. (صحیح سنن ابی داود، ح:۵۰۸۸، طبعۃ المعارف)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ کوئی بھی چیز آسمان وزمین کی نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اس دعا کو جو شخص تین مرتبہ پڑھتا ہے کوئی اچانک آنے والی مصیبت اس کو نہیں پہنچتی یہاں تک کہ وہ صبح کرے اور وہ اسے تین مرتبہ صبح کے وقت پڑھتا ہے تو اسے کوئی اچانک آنے والی مصیبت نہیں پہنچتی یہاں تک کہ وہ شام کرے۔

اس دنیا میں ہر عقلمند انسان اپنے آپ کو خطروں سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ تحفظ کے اسباب وتدابیر اختیار کرتا ہے۔ یہ تدبیریں ظاہری ہوتی ہیں اور معنوی بھی، معنوی تدبیروں میں اوراد ووظائف کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کو ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ کے سب سے برگزیدہ بندے بھی اللہ سے ہی اس کی حفاظت وپناہ کو طلب کرتے اور پریشانی کے موقعوں پر اسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ سے ماثور دعاؤں کی ایک طویل فہرست منقول ہے جس میں خاص طور سے صبح وشام، فرض نماز کے بعد اور رات سونے کے وقت کی دعائیں ہیں۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ روز وشب کے مشاغل اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں بلکہ زبان اس سے تر اور دل زندہ رہے۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ بندہ ہمہ وقت اللہ سے اس کی حفاظت کو طلب کرے کہ وہ ہمیں ہر قسم کے خطروں اور نقصانات سے محفوظ رکھے۔

مذکورہ بالا حدیث میں اسی قسم کی ایک اہم ترین دعا کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے پڑھنے کا فائدہ بھی۔ دعاؤں کی تاثیر کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ بندہ کے ایمان اور اللہ پر اس کے اعتماد وتوکل سے اس کا تعلق بہت گہرا ہے۔

ایمان جس قدر قوی اور اعتماد وتوکل جس قدر پختہ ہوگا دعا اتنی ہی موثر ہوگی اور اگر مقصد صرف تجربہ کرنا ہو، اللہ کی ذات پر ایمان وتوکل پختہ نہ ہو اور نہ ہی حسن نیت ہو تو پھر ایسی دعا تاثیر سے محروم ہو جاتی ہے۔

حیوۃ بن شریح ایک مشہور محدث اور فقیہ گذرے ہیں۔ ان کا معمول یہ تھا کہ بیت المال سے سالانہ ساٹھ دینار وظیفہ وصول کرتے اور اسی جگہ فقراء ومساکین کو تقسیم کر دیتے۔ پھر جب گھر لوٹتے تو بستر کے نیچے ساٹھ دینار پاتے۔ یہ بات ان کے چچازاد بھائی کو معلوم ہوئی انہوں نے بھی اپنا وظیفہ صدقہ کر دیا اور گھر آکر بستر کے نیچے کچھ نہیں پایا، وہ حیوۃ کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے اپنا پورا وظیفہ صدقہ کر دیا اور گھر آکر کچھ نہیں پایا۔ حیوۃ نے جواب دیا میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے صدقہ کرتا ہوں اور تم نے آزمانے کے لیے صدقہ کیا کہ تمہیں ملتا ہے کہ نہیں، جبکہ میری نیت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے پاس اس کا اجر وثواب ہے

اللہ مجھے وہ عطا کرے۔(سیر اعلام النبلاء:۱۱/۴۹۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر کامل اعتماد ویقین رکھتے ہوئے دعائیں کرنی چاہیے نہ کہ تجربہ کرنے کے مقصد سے۔تب اللہ اسے موثر بنائے گا اور اجر وثواب سے نوازے گا۔

مذکورہ بالا دعا کی یہ تاثیر کتنی عظیم ہے کہ اللہ تعالی اس کی برکت سے آسمان سے نازل ہونے والی یا زمین کی جانب سے آنے والی ہر مصیبت سے محفوظ رکھتا ہے۔اس حدیث کے ایک راوی حضرت ابان بن عثمان رحمہ اللہ کو فالج کا اثر ہوگیا، جب انہوں نے اس حدیث کو روایت کیا تو ان کے شاگردنے ان کی طرف تعجب سے دیکھا تو ابان نے ان سے کہا: ما تنظر ؟ أما أن الحديث كما حدثتك ولكني لم أقله يومئذ ليمضي الله عليّ قدره. (سنن ترمذی ح:۳۳۸۸)

کیا دیکھتے ہو؟ حدیث جسے میں نے روایت کیا ایسے ہی ہے لیکن جب دن مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اس دن میں نے اس دعا کو نہیں پڑھا تھا، تا کہ اللہ کی تقدیر نافذ ہو جائے۔

امام قرطبی اس دعا کی تاثیر کے بارے میں اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ هذا خبر صحيح وقول صادق علمناه دليلا وتجربة فإني منذ سمعته عملت به فلم يضرني شيء إلى أن تركته فلدغتني عقرب بالمهدية ليلا فتفكرت فإذا أنا قد نسيت أن أتعوذ بتلك الكلمات. (الفتوحات الربانية لابن علان:۳/۱۰۰، بحوالہ فقہ الأدعية والأذكار، شیخ عبدالرزاق البدر:۳/۱۲، دیکھیں:شرح موطأ للزرقانی:۴/۵۴۰،مرعاۃ المفاتیح:۸/۱۷۳)

یہ حدیث صحیح اور یہ فرمان سچا ہے،ہم نے دلیل اور تجربہ دونوں سے اس کی صداقت کو جانا ہے۔میں نے جب سے اس حدیث کو سنا برابر اس پر عمل کرتا رہا تو مجھے کسی چیز نے ضرر نہیں پہنچایا۔یہاں تک کہ میں نے اس کا پڑھنا چھوڑ دیا۔ایک رات مہدیہ میں بچھو نے مجھے ڈنک مارا۔میں نے غور کیا تو یاد آیا کہ آج رات میں نے یہ وظیفہ نہیں پڑھا۔

الغرض یہ کہ دعاؤں کی تاثیر مسلم ہے۔اس لیے صبح وشام اور مختلف مواقع کے جو اوراد ووظائف ہمیں سکھلائے گئے ہیں وہ ہمارے معمول کا حصہ ہوں خاص طور سے آج کے اس دور میں جب ہم خطرات سے گھرے ہوئے ہیں۔دین اور دنیا دونوں پر خطروں کے بادل منڈلا رہے ہیں۔کاروباری زندگی،صحت وتندرستی،امن وامان بھی خطروں سے دوچار ہے۔فتنوں کا سامنا قدم قدم پر ہے، ذہنی انتشار اور نفسیاتی قلق موجودہ زندگی کا جزء لاینفک بن چکا ہے۔دوست کے بھیس میں دشمن اور خیر خواہوں کے روپ میں بدخواہوں کی کثرت ہے۔ایسے مہیب حالات کا مقابلہ کرنا انسان کے بس میں کہاں؟

جو ذات اپنی قدرت بے پناہ کے ذریعہ اپنے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔صدق دل سے اسی کی طرف رجوع کرنا اور اس سے حفاظت وپناہ کا طالب ہونا ہی اہل ایمان کا شیوہ ہے۔

﴿إن الله يدافع عن الذين آمنوا ان الله لا يحب كل خوان كفور﴾ (حج:۳۸)

بیشک اللہ تعالی اہل ایمان کی دفاع (حفاظت) کرتا ہے، بیشک اللہ تعالی کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

☆☆☆

افتتاحیہ

یوم نسواں اور حقوق نسواں

ہر سال کی طرح امسال بھی ۸/ مارچ کو پوری دنیا میں یوم نسواں پوری شان وشوکت اور دھوم دھام سے منایا گیا۔ باستثنائے چند، مسلم ممالک نے بھی عورتوں کے حقوق کو یاد کیا۔ یوروپی یونین نے خواتین کی ترقی کی پیش رفت پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ اس موقع پر یوروپین یونین کی خارجہ پالیسی کی سربراہ فیدریکا مغرینی اور تحریک نسواں کے دیگر بڑے عہدہ داروں نے مشترکہ بیان میں کہا: یوروپ ۱۹۵۷ء سے صنفی امتیاز کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہے اور یہ اس کے ڈی این اے میں شامل ہے۔ اس بیان میں مزید کہا گیا: ہم نے خواتین اور مردوں کی برابری کے لیے بہت زیادہ پیش رفت کی ہے، لیکن ابھی بہت سے فرق موجود ہیں، خواتین مردوں کے مقابلے میں کم کماتی ہیں اور مردوں سے کم اثاثے کی مالک ہیں، سیاسی اور کاروباری دنیا میں ان کی کم نمائندگی ہے، ہر روز دنیا میں ہزاروں خواتین اور لڑکیوں کو صنفی بنیاد پر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جنسی طور پر ان سے ناروا سلوک کیا جاتا ہے، ان کے نازک اعضا کاٹ دیے جاتے ہیں، کم عمری میں ان کی زبردستی شادیاں کردی جاتی ہیں۔ خواتین کو تعلیمی کیریر، ملازمت اور زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے مساوی حق ملنا چاہیے۔ ہم سرحدوں سے ماورا مرد وزن میں عدم مساوات کے خلاف جنگ کے لیے عزم کا اظہار کرتے ہیں۔

یوم خواتین کا آغاز ۱۹۰۹ء میں امریکہ میں ہوا جب ٹریڈ یونین کی کچھ عورتوں نے اپنی اجرت اور چند حقوق کے لیے احتجاج کیا۔ ۱۹۱۳ء میں ۸/ مارچ کا دن حقوق نسواں کے لیے مقرر کیا گیا۔ اقوام متحدہ نے عورتوں کے حقوق، ان کی ترقی اور صنفی امتیاز کے خاتمہ کے لیے باقاعدہ مہم چلائی جو آج تک جاری ہے۔ ادارہ اقوام متحدہ اس کے لیے ترقی پذیر ممالک میں عالمی کانفرنسیں منعقد کرتا ہے۔ دنیا بھر کی عورتوں میں اپنے حقوق کے لیے بیداری اور شعور پیدا کرتا ہے، ہر ملک کا باقاعدہ سروے کرایا جاتا ہے کہ ان میں ترقی نسواں کی رفتار کیا ہے، امسال کی رینکنگ میں سعودی عربیہ اور جنوبی ایشیا کے ممالک سب سے نچلے پائیدان پر ہیں۔

یوروپی یونین کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کون سے حقوق ہیں جن کے لیے یہ جنگ لڑی جارہی ہے۔ مرد وزن کی مساوات کا نعرہ لگانے والے کون سے لوگ ہیں؟ یہ دراصل مغربی تہذیب کے نمائندے ہیں جو ایک صدی سے آزادی نسواں کے نام نہاد علم بردار بنے ہوئے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں میں صنفی امتیازات ختم ہونا چاہیے، مردوں کی طرح عورتوں کو بھی زندگی کے ہر میدان میں ترقی کا یکساں موقع دینا چاہیے، انہیں اپنے پسند کے کپڑے پہننے کی آزادی چاہیے، خواہ وہ کپڑے کتنے ہی مختصر کیوں نہ ہوں، انہیں گھر میں مقید کرکے ان پر ظلم کیا جاتا ہے، انہیں باہر نکلنے کی آزادی ملنی چاہیے، گویا گھر سے آزادی، بچوں سے آزادی، والدین سے آزادی ملنی چاہیے، معاملہ اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ انہیں اپنی پسند کے مردوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کی آزادی چاہیے، طوائف بننے کا حق دیا جائے، ہم جنسی کا حق دیا

جائے اوراس کے لیے یوروپ کی طرح قانون بنایا جائے۔

یہاں چندسوال اٹھتے ہیں کیا عورت کو درپیش حقیقی مسائل کو سلجھالیا گیا ہے اور جو کچھ مغرب نے آج کی عورت کو دیا ہے وہ ان کے لیے اطمینان بخش ہے؟؟

انسانی معاشرہ میں جب ہم عورت کی زبوں حالی کا جائزہ لیتے ہیں معاملہ اس کا بالکل برعکس نظر آتا ہے، ترقی آگے نکل گئی مگر اینٹ بھٹوں پر کام کرنے عورتیں، گلی کوچوں میں کچرا چنتی ہوئی ننھی بچیاں، سڑکوں پر بھیک مانگتی ہوئی بوڑھی عورتیں، بندھوا مزدور کی صورت میں مقید بے بس عورتیں، سماج کی ستائی ہوئی بے بس عورتیں سب پیچھے رہ گئیں۔

جو عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی حماقت کر بیٹھی ہیں وہ اپنی داستان کسے سنائیں، سویرے وہ اپنے لیے، بچوں کے لیے اور شوہر کے لیے جلدی جلدی ناشتہ بناتی ہے، دوچار لقمے ٹھونس کر فوراً بھاگتی ہے، بس میں دھکہ کھاتے ہوئے آفس پہنچتی ہیں، آٹھ گھنٹہ کی سخت ڈیوٹی پوری کر کے فوراً راستے کی دقتیں برداشت کرتے ہوئے گھر پہنچتی ہیں، چند گھنٹے آرام بھی نہیں کر پاتی کہ کچن کی راہ لیتی ہیں، ہر گھر میں ملازمت کرنے والی عورت کی یہی کہانی ہے۔ یہ دوہری ذمہ داری اس پر کتنا بڑا ظلم ہے کاش کہ وہ اسے محسوس کرے۔

دراصل قوانین دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک قوانین وہ جو وحی الٰہی سے مستفاد ہوتے ہیں، دوسرے وہ جسے انسانوں نے اپنی ذہانت اور فطانت سے بنایا ہے۔ کائنات اور کائنات کی تمام اشیاء جاندار اور بے جان سب کا خالق اللہ ہے۔ اس کی مخلوقات میں اسی کے بنائے ہوئے قوانین چلتے ہیں۔ انسانوں کو بھی اللہ نے بنایا ان کے لیے بھی فطری قوانین متعین کیے۔ ان قوانین کے خلاف چلنے والا یقیناً نقصان اٹھائے گا۔ انسانی عقل بہت محدود ہے، اس کی نظر بہت تھوڑی دور تک پہنچ سکتی، اس کی عقل قانون تو ضرور بنا سکتی ہے مگر وہ جس کے لیے قانون بنایا گیا ہے اس سے میل کھائے گا یا نہیں اسے اس کا علم نہیں ہے۔ اللہ نے ہر جاندار کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا، ایک کو نر بنایا دوسرے کو مادہ، نر کو قوی اور مادہ کو کمزور بنایا، مادہ کو توالد وتناسل کی ذمہ داری سونپی اور نر کو پاسبان اور رکھوالا بنایا۔ بطخوں کا جھنڈ دیکھ لیں طاقت ور نر گردن اونچی کیے ہوئے نگرانی کرتا ہے اور مادائیں آرام سے سوتی ہیں، مادہ چڑیا انڈے دیتی اور سیتی ہے نر چڑیا گھر بناتا ہے اور خوراک لاتا ہے۔ یہی قانون فطرت انسانوں میں بھی مضمر ہے، اللہ نے اسے دو صنفوں میں بنایا، مرد اور عورت، دونوں کی ساخت الگ بنائی، مرد کو اللہ نے توانا بنایا اور عورت کو کمزور، مرد کو جفاکش بنایا اور عورت کو نازک، مرد کو قوی ہیکل بنایا اور عورت کو آبگینہ، مرد کو اللہ نے فاعلیت بخشی اور عورت کو انفعالیت۔ دونوں کے جسمانی ساخت نے خود ہی ان کے دائرۂ کار کو متعین کر دیا ہے۔ ان قوانین فطرت کی خلاف ورزی کی صورت میں ایسی تباہی آئے گی جس سے انسانیت کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

اللہ نے قوانین فطرت کی مزید وضاحت کے لیے شریعت محمدیہ کو بھیجا۔ یہ شرعی اور اسلامی قانون اسی اللہ کے بھیجے ہیں، جس نے قوانین فطرت کی تخلیق کی۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ دونوں میں ٹکراؤ ہو۔ اسلام نے اس کی تقدیس اور تکریم کی تعلیم دی، اس کے لیے مساوات بخشی، مگر اس میں عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑا، اسے لڑکوں سے زیادہ پیار دیا، آپ نے ایک بچی کی تعلیم وتربیت کو حصول جنت کا ذریعہ بنایا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کے حقوق سلب کر لیے، انہیں گھر میں مقید

کردیا۔عورت کے بارے میں اسلامی قوانین پرتشدد ہیں، جولوگ یہ کہتے ہیں، انہوں نے شریعت کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔قرآن کہتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾ (النساء:۱)

اسلام نے مردوزن کوایک دوسرے کے لیے محنت اور سکون کا ذریعہ بنایا۔اللہ نے عورت اور مرد دونوں کو برابر درجہ دیا، مگر مرد ایک چیز میں اس سے فائق ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكُيمٌ﴾ (البقرۃ:۲۲۸) دوسری جگہ پرارشادفرمایا: ﴿الرجال قوامون علی النساء﴾ مردعورت پر قوام اور نگراں ہے۔قرآن نے عورت کی کسی کمی کی بنیاد پر مرد کواس کا قوام نہیں بنایا بلکہ یہ تو قانون فطرت ہے۔قوامیت تو ہر نر کو حاصل ہے۔اسلام نے تو عورت کو گھر کی رانی بنا کر رکھا ہے،اس کے سارے اخراجات کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے، وہ تو بس راج کرنے کے لیے بنائی گئی،عورت کو اپنی ملکیت کا حق دیتا ہے،اس میں سے کوئی لے نہیں سکتا ہے، وہ ہر ایسا کام کرسکتی ہے جس میں مرد اس کا استحصال نہ کرسکیں،اسی لیے اس کے لیے حجاب کا حکم دیا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون پیکر شرافت جارہی ہے،کوئی اس سے تعرض نہ کرے، وہ ہر قسم کے علوم وفنون میں تعلیم کے اعلی مدارج طے کرسکتی ہے،اسے کوئی روکنے والا نہیں، شادی میں اس کی پسند کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے، وراثت میں مرد دوحصہ پاتا ہے تو عورت سے اس کم تر نہیں ہے، وہ شوہر اور اولاد سے بھی لیتی ہے اوا اپنے میکہ سے بھی ترکہ پاتی ہے۔

آج غیر فطری قوانین کو گلے لگا کر عورت نے عزت وتکریم کا لبادہ اتار پھینکا،اس کا سب سے خوف ناک نتیجہ یہ نکلا کہ پوری دنیا میں عورت کا تحفظ ایک سنگین مسئلہ بن چکا ہے،اس کی ناموس ہمہ وقت خطرہ میں رہتی ہے، آزادی کے جنون میں وہ خود اپنی بربادی کو دعوت دے رہی ہے، بازار کی ہر شے پر عریاں تصاویر کا غلبہ ہے، اشتہارات بغیر عورت کے نامکمل ہیں،خود عورتوں کے اپنے لباس نے اس کو خطرہ میں ڈال دیا ہے،مغربی کلچر کا اثر جس طرح عورتوں پر پڑا ہے ویسے ہی مردوں پر ہے، اخلاقی تربیت سے عاری مردوں کے لیے خوشبو ہی پاگل بنادیتی ہے،فلم اور ٹی وی کے مناظر اس کے دماغ کو ہیجان خیز بنادیتے ہیں اور پھر ریپ، پرتشدد ریپ، اجتماعی ریپ کا وہ سیلاب کہ اس پر باندھ باندھنا ناممکن ہے،اسے صرف قوانین ہی سے نہیں روک سکتے ہیں،اس کے لیے اعلی تربیت وبہترین اخلاق اور سخت سزا کا خوف بھی ہونا چاہیے۔

۲۰۱۲ء میں نربھیا کی اجتماعی آبروریزی نے پورے ملک کو ہلا دیا، انڈیاز ڈاٹر (دختر ہند) کے نام سے بی بی سی نے ڈاکومینٹری فلم بنائی، کہا جاتا ہے کہ دیماپورنا گالینڈ میں اسی فلم کے ردعمل میں ایک بے قصور کو بڑی درندگی سے ہجوم نے پیٹ پیٹ کر مارڈالا،نربھیا کے معاملہ میں عدل وانصاف کا ترازو عوام نے اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا اور ناگالینڈ میں عوام کی بھیڑ ہی جج اور منصف بن گئی اور جیل سے نکال کر ملزم کو مارڈالا، زنا اور اس سے متعلق قوانین کی عدم جامعیت نے آج ہمارے ملک میں انارکی کی فضا پیدا کردی ہے۔یادرکھیں مغرب کا لایا ہوا کلچر ان کے نام نہاد حقوق ہمارے معاشرہ میں کثرت زنا بالجبر، ہم جنس پرستی، فحاشیت اور اباحیت کے علاوہ کچھ اور نہیں دے سکتے۔خواتین کی نام نہاد ترقی صرف ان کا استیصال اور استحصال ہے۔

☆☆☆

ایمان وعقائد

حقیقتِ شرک

عبدالولی عبدالقوی
داعی مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، الحائط، سعودی عرب

(۱)شرک کی تعریف:

اللہ تعالی کی ربوبیت، الوہیت یا اسماء وصفات میں کسی غیر کو شریک ٹھہرانا شرک کہلاتا ہے۔

چنانچہ اگر کوئی انسان یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خالق، رازق یا مدبر ہے یا نظام کائنات کے چلانے میں وہ منفرد نہیں بلکہ کوئی اس کا معین ومددگار رہے، تو وہ مشرک ہے۔ جو یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے سوا اور بھی ہستیاں ہیں جو لائق عبادت ہیں تو وہ مشرک ہے، مثلاً اللہ کے سوا مردوں کو پکارے، ان سے فریادرسی کرے، ان کے لیے ذبح کرے، نذر مانے، ان سے ویسے ڈرے جس طرح اللہ سے ڈراجاتا ہے، ان کے آستانوں پر رکوع یا سجدہ کرے وغیرہ۔

اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے اسماء وصفات میں کوئی شریک یا نظیر ہے، مثلاً کوئی اعتقاد رکھے کہ فلاں ولی کو بھی ویسے ہی قوت حاصل ہے جیسے اللہ کو ہے، وہ فریادوں کو دور اور نزدیک سے سنتا ہے جس طرح اللہ سنتا ہے وغیرہ تو وہ مشرک ہے۔

(۲)شرک کی اقسام:

شرک کی دو قسمیں ہیں: (۱) پہلی قسم: شرک اکبر (۲) دوسری قسم: شرک اصغر

(۳)شرک اکبر کی تعریف:

عبادات میں سے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لیے انجام دینا، مثلاً غیر اللہ کو پکارنا، ان سے فریادرسی کرنا، ان کے لیے ذبح کرنا، نذر ماننا وغیرہ۔

علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: شرک اکبر کہتے ہیں عبادت کی کسی قسم کو غیر اللہ کے لیے انجام دینا، چنانچہ ہر وہ عقیدہ، قول یا عمل جو شریعت سے ثابت ہو اس کو اللہ واحد کے لیے انجام دینا توحید، ایمان اور اخلاص ہے اور غیر اللہ کے لیے انجام دینا شرک ہے۔ (دیکھئے: القول السدید فی مقاصد التوحید ص ۱۶)

چنانچہ جو اللہ کے علاوہ کسی نبی، ولی، پیر یا قبر والے کو پکارے، اس سے اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی طلب کرے، اس کے لیے جانور ذبح کرے، اس کے لیے نذر مانے، اس پر بھروسہ رکھے، اس سے ڈرے، اس کے آستانے پر رکوع یا سجدہ کرے یا اس سے کہے کہ اللہ سے کہہ کر میری فلاں پریشانی دور کرادیں، تو اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا اور انہیں اللہ کے سوا معبود بنالیا، جس سے اللہ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’جس نے کسی نبی، ولی، فرشتہ یا جنات کو پکارا، یا اس کے لیے کسی طرح کی کوئی عبادت انجام دی، تو اس نے اسے اللہ کے سوا معبود بنالیا‘‘۔ (دیکھئے: فتح المجید ص ۲۴۲)

جیسا کہ اللہ تعالی نے ایک آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلاَّ أَسْمَاء سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَآؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ أَمَرَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ﴾ (یوسف:۴۰)

اللہ تعالی کے علاوہ جن ہستیوں کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تو بس کچھ نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اتھارٹی سے متعلق اللہ تعالی نے کوئی سند نازل نہیں کی، حکم صرف ایک اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

لہذا جائز نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ عبادت میں کوئی اور معبود قرار دیا جائے، اس لیے کہ عبادت خالص اللہ کا حق ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی اس کا حقدار نہیں ہے۔

(۴) شرک اکبر کی اقسام:

شرک اکبر کی بہت سی قسمیں ہیں، ہم ذیل میں ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں، جو انتہائی خطرناک اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں:

پہلی قسم: دعا میں شرک:

دعا عبادت کی سب سے عظیم قسم ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الدعاء هو العبادة" دعا عبادت ہے۔ (دیکھئے: صحیح الترمذی:۳/۱۰۱)

دعا کی دو قسمیں ہیں:

پہلی: دعاء عبادت: اس سے مراد ہر وہ عمل ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے رب کی عبادت کرتا ہے جیسے کہ نماز، روزہ، حج، قربانی وغیرہ، اس کو دعا اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے، بایں طور کہ انسان جب نماز، روزہ اور دیگر عبادات کرتا ہے تو وہ اللہ سے طالب ہوتا ہے کہ اللہ اس پر رحم فرمائے، اسے جنت میں داخل کرے۔

چنانچہ جس نے دعاء عبادت اور دعاء مسألہ ان دونوں قسموں میں سے کسی کو اللہ کے علاوہ کسی نبی، ولی یا قبر والے کے لیے انجام دیا، اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا، گرچہ وہ زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھے، نماز ادا کرے، روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے۔

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بندوں کو دعوت دی ہے کہ وہ خالص ایک اللہ کو پکاریں، وہ اللہ بندوں

سے قریب، ان کی پکار کو سننے اور قبول کرنے والا ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں۔

نیز اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ (غافر:۶۰)

اور تمہارے رب کا فرمان صادر ہو چکا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

دوسری قسم: نیتوں اور ارادوں میں شرک:

انسان کا اپنی عبادات سے کلی طور پر دنیا، ریا و نمود یا شہرت مقصد ہو، رضائے الٰہی کا حصول یا آخرت میں اجر و ثواب قطعاً مقصود نہ ہو، جیسا کہ منافقین کا حال ہے تو وہ شخص شرک اکبر کا مرتکب ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لاَ يُبْخَسُوْنَ، أُوْلَـئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ إِلاَّ النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (ہود:۱۵-۱۶)

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو، ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں (دنیا میں) بھر پور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی، ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا ہوگا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برباد ہونے والے ہیں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''رہا مسئلہ نیتوں اور ارادوں میں شرک کا تو یہ بحر بے کنار ہے اور بہت کم ہی لوگ اس سے بچ پاتے ہیں، چنانچہ جس نے اپنے عمل سے رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ اور چاہا اور اللہ کی نزدیکی اور اس سے بدلہ کے حصول کے علاوہ کچھ اور نیت کی، تو اس نے اپنے ارادہ اور نیت میں شرک کیا''۔ (الجواب الکافی ص ۴۹)

تیسری قسم: اطاعت میں شرک:

حلال وحرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالی کو ہے، یہی حق اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی مخلوق کے اندر تسلیم کرلے اور اس کی تحلیل و تحریم کو دل کی خوشی کے ساتھ قبول کر کے اس کی فرماں برداری کرے، مثلاً وہ سود کو حلال کہے، عورتوں کے بے پردہ آوارہ پھرنے کو جائز قرار دے، تعدد زوجات کو حرام کہے وغیرہ تو اس کی فرماں برداری کرنے والے نے

شریعت سازی میں اسے اللہ کا شریک قرار دیا۔

امام زجاج رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’جس نے اللہ کی حرام کردہ کسی چیز کو حلال جانا یا اس کی حلال کردہ کو حرام جانا تو وہ مشرک ہے‘‘۔(معالم التنزیل:۲/۱۲۷)

کیوں کہ اللہ تبارک وتعالی کے علاوہ کسی دوسرے کو حلال وحرام کا مختار ماننا اسے رب بنانا ہے، جیسا کہ یہود ونصاری نے اپنے علماء اور درویشوں کو حلال وحرام کا اختیار سونپ دیا تھا، تو اللہ تعالی نے ان کے اس عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبۃ:۳۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو، حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہوجاتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ سن کر میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یہود ونصاری نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کو رب بنالیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی، لیکن یہ بات تو ہے نا کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام قرار دے دیا اس کو حرام ہی سمجھا، یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔(ترمذی حدیث نمبر ۳۰۹۵ تحقیق الالبانی: حسن، دیکھئے: صحیح الترمذی:۳/۲۴۷)

معلوم ہوا کہ تحلیل وتحریم کا اختیار اللہ کے علاوہ کسی دوسرے میں تسلیم کرنا ان کی عبادت کرنا ہے اور یہ شرک ہے، اسی لیے اللہ نے سورہ انعام میں مسلمانوں سے فرمایا: ﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ (الانعام:۱۲۱) اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہوجاؤ گے۔

جب حکم الہی کے مخالف فیصلے کی پیروی سے بندہ مسلم مشرک ہوجاتا ہے، تو اس شخص کے بارے میں کیا کہنا جو خود شریعت ساز بنا ہوا ہے، بلاشبہ ایسے لوگ کافر ہیں، کیوں کہ انہوں نے اللہ سے اس کی ربوبیت میں جنگ مول لی ہے اور اللہ کے دین اور اس کی شریعت کو بدل دیا ہے۔(دیکھئے الشریعۃ الالٰہیہ عمر الاشقر ص ۱۷۹)

نیز اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾ (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی فرماں برداری کرو اور فرماں برداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالی کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہارا اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان

ہے، یہ بہت بہتر اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’اللہ کے فیصلوں میں شرک کرنا اور عبادت میں شرک کرنا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی نظام الٰہی کے علاوہ کی پیروی کرے، اور اس کی بنائی ہوئی شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت پر چلے، ایک شخص بت کی عبادت کرے اور اسے سجدہ کرے، تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ دونوں کے دونوں مشرک ہیں‘‘۔ (دیکھئے أضواء البیان: ۱۶۲/۷)

اسی ضمن میں اماموں اور پیروں کی اندھی تقلید بھی آتی ہے جو کتاب وسنت کی مخالفت کے باوجود اپنے امام یا پیر کی بات یا اس کے فتوے کو چھوڑنے کے لیے راضی نہیں ہوتے، بدعات وخرافات کو اپنا پیرہن بنائے ہوتے ہیں، لیکن سنت کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے ایمان کی نفی کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیَ یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِیۤ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیماً﴾ (النساء: ۶۵)

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو اپنے امام یا مرشد کے قول کے مقابلے میں حدیث صحیح سے انقباض ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ یا تو اس حدیث صحیح کے تاویل کی مذموم سعی کرتے یا تو کھلے لفظوں اسے ماننے سے یہ کہہ کر انکار کردیتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے امام کی رائے یا ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت سے رضامندی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ جو بات کہیں، جس چیز کا فیصلہ کریں، جس کا حکم دیں یا جس سے منع کریں، اس سے پورے طور پر راضی ہوجائے، دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کی جائے اور اسے بخوشی تسلیم کرلیا جائے گرچہ وہ اپنے من، طبیعت، اپنے پیر یا امام یا اپنی جماعت کی بات کے مخالف ہو‘‘۔ (دیکھئے: مدارج السالکین: ۱۷۳/۲)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جنہیں سند حدیث اور اس کی صحت کا علم ہے، اس کے باوجود اس پر عمل نہ کرکے امام سفیان رحمہ اللہ کی رائے کو لیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ﴾ (النور: ۶۳)

سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔ (دیکھئے: الدرر السنیة للاجوبة النجدیة: ۴۷/۱)

عبداللہ بن عباس رضی الہ عنہ فرماتے ہیں:

’’قریب ہے کہ تمہارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو میں تم سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور تم کہتے ہو ابوبکر وعمر نے فرمایا‘‘۔ (دیکھئے: تیسیر العزیز الحمید: ۲/۲۱۶)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’لوگوں کا اتفاق ہے کہ جب سنت رسول واضح ہوجائے تو کسی کے قول کی وجہ سے اسے چھوڑنا جائز نہیں ہے‘‘۔ (الروح لابن القیم ص ۲۶۴)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

’’کوئی ایسا کام جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا ہو میں نے اس پر ضرور عمل کیا، کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں سنت رسول پر عمل نہ کروں تو کہیں گمراہی کا شکار نہ ہوجاؤں‘‘۔ (بخاری: ۱۱/۱۸۸، مسلم: ۱۲/۲۱)

ابن بطہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو سنت رسول کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے اوپر گمراہی کا ڈر محسوس کرتے ہیں، تو اس دور کے لوگوں کے تعلق سے کیا کہا جاسکتا ہے جو نبی، ان کے حکموں اور سنتوں کا مذاق اڑاتے اور ان کی مخالفت پر فخر کرتے ہیں‘‘۔ (الابانۃ: ۱/۲۴۶)

چوتھی قسم: محبت میں شرک:

یہاں پر محبت سے مراد وہ محبت ہے جو عبادت ہے جس کا تقاضا محبوب کے لیے کمال تعظیم کے ساتھ غایت درجہ عاجزی وانکساری اور مکمل اطاعت وفرماں برداری ہے، یہ محبت اللہ سبحانہ وتعالی کے لیے خاص ہے، اس میں کسی اور کو شریک کرنا توحید کے منافی، شرک اکبر ہے۔

جیسا کہ اللہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ﴾ (البقرۃ: ۱۶۵)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے اللہ کا شریک بنایا کہ اس سے ایسی محبت کرے جیسی کہ اللہ تعالی سے کی جاتی ہے، تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہے‘‘۔ (کتاب التوحید ص ۴۳)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’اللہ نے اس آیت کریمہ میں خبر دی کہ جس نے اللہ کے سوا کسی چیز سے ایسی محبت کی جیسی کہ اللہ سے ہونی چاہیے تو اس نے اسے محبت اور تعظیم میں اللہ کا شریک قرار دیا‘‘۔ (دیکھئے: التفسیر القیم لابن القیم: ۱/۲۴۸)

مذکورہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بعث محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا بلکہ شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں۔

رہا مسئلہ والد کا اولاد سے، شوہر کا بیوی سے، بیٹے کا ماں سے، دوست کا دوست سے، بھوکے شخص کا کھانے سے، کسی کا مال و دولت سے محبت کرنے کا وغیرہ، تو قلوب انسانی میں ان سب کی محبت طبعی ہے، اس میں کوئی مذمت نہیں، بشرطیکہ ان چیزوں کی محبت اللہ تعالی کی محبت پر غالب نہ ہونے پائے کہ اللہ تعالی کی اطاعت اور فرماں برداری کی راہ میں رکاوٹ بن جائے، جس کا ذکر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں کیا ہے، فرمایا:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (توبہ:۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے لڑکے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے کنبے قبیلے، تمہارا کمایا ہوا مال، تمہاری وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو، اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظام کرو کہ اللہ تعالی اپنا عذاب لے آئے، اللہ تعالی فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الإيمان أن يكون الله ورسوله أحب إليه مما سواهما وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله وأن يكره أن يعود في الكفر بعد أن أنقذه الله منه كما يكره أن يقذف في النار"۔

تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس کے اندر پیدا ہو جائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا، اول یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت رکھے، تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے، جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ (بخاری:۱۶، مسلم:۱۷۴)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اطاعت الٰہی کے وقت، مصائب جھیلتے وقت، دنیوی اغراض کو پس پشت ڈالتے وقت، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کی مخالفت سے رکتے وقت جو کیفیت اور سرور ایک مومن کے دل میں ابھرتا ہے، اس ذوق کو حلاوت ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے''۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم:۲/۱۳) (جاری)

☆☆☆

حرمین شریفین

بلدِ حرام کے فضائل اوراس کے بعض احکام

(۶)

محمد اسلم مبارک پوری

۸-زمزم:

زمزم اس کنویں کا نام ہے، جواس وقت حجراسود کے مشرق، اورمقام ابراہیم کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ زمزمہ بمعنی مطلق آواز سے مشتق ہے۔

ابن قتیبہ نے کہا: میں نے اہل لغت کونہیں دیکھا ہے کہ انہوں نے اس لفظ کا پانی نکلنے کی آواز کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بیان کیا ہو۔(۱)

زمزم کی نشو ونما، اوراس کے آغاز کا قصہ خانہ کعبہ کی تعمیر کی حدیث میں گذر چکا ہے۔اس حدیث میں ہے:

’’ہاجرہ (علیہا السلام) جب مروہ پر چڑھیں توایک آواز سنی۔اپنے آپ کہنے لگیں: چپ رہ، پھرکان لگایا تو وہی آواز سنی تواس وقت پکار اٹھیں۔اللہ کے بندے میں نے تیری آواز سنی۔تو کچھ ہماری مدد کرسکتا ہے توکر۔پھر دیکھا تو جہاں آبِ زمزم ہے، وہاں اللہ کے فرشتے (جبرئیل) ملے۔انہوں نے اپنی ایڑی یا پنکھ مارکرزمین کھودڈالی، اور پانی نمودار ہوا۔ہاجرہ علیہا السلام اسے حوض نما بنانے لگیں۔اپنے ہاتھ سے اس کے اردگرد منڈیر کرنے لگیں۔اورچلولے لے کرمشکیزہ میں پانی بھرنے لگیں۔جوں جوں پانی لیتی جاتیں، وہ چشمہ اورجوش مارتا (یعنی پانی زیادہ ہوتا جاتا)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"يرحم الله أم إسماعيل، لو تركت زمزم – أو قال – لو لم تغرف من الماء لكانت زمزم عينا معينا. قال: فشربت وأرضعت ولدها" (۲) اللہ تعالی اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پررحم کرے۔اگروہ زمزم کو اپنے حال پرچھوڑ دیتیں، یایوں فرمایا: اگروہ چلوبھربھرکرمشکیزہ میں پانی نہ لیتیں، توزمزم ایک رواں چشمہ ہوتا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ہاجرہ علیہا السلام نے پانی پیا، اور بچے کوبھی پلایا۔

یہ اللہ تعالی کے امن والے حرم میں اللہ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کے ذریعہ بابرکت، اورقابل قدر پانی کی نشو ونما ہے۔

آب زمزم ہی پر مکہ میں لوگوں کی زندگی قائم تھی۔اورسالہا سال آباد تھی۔پھر اللہ تعالی کی مشیئت سے زمزم کے آثار مٹ گئے۔اورلوگوں پراس کی جگہ پوشیدہ ہوگئی حتی کہ اللہ تعالی نے پھر اسے وجود میں لانا چاہا، اورمقدرکیا کہ یہ مبارک پانی دوسری مرتبہ نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ہاتھوں جاری ہو۔انہوں نے زمزم کے آثار مٹ جانے کے بعد دوسری مرتبہ

(۱) غریب الحدیث: ۵۰۲/۲۔ (۲) یہ حدیث گذرچکی ہے۔

اسے کھودا۔

شرعی نصوص اس بابرکت پانی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کہ آب زمزم بابرکت پانی ہے۔ چند نصوص درج ذیل ہیں:

(أ) آبِ زمزم سے نبی ﷺ کے سینہ مبارک کو دھونا:

آب زمزم کی فضیلت پر دلالت کرنے والے امور میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس پانی کو پسند کیا، تاکہ اسراء ومعراج سے قبل اپنی ملاقات کے لیے نبی ﷺ کے سینہ کو دھویا جائے۔ چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'فرج سقفي، وأنا بمكة، فنزل جبريل – عليه السلام – ففرج صدري، ثم غسله بماء زمزم، ثم جاء بطست من ذهب ممتلىء حكمة وإيمانا، فافرغها في صدري، ثم أطبقه، ثم أخذ بيدي فعرج إلى السماء الدنيا ......" (۱) میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کو ہٹایا گیا۔ جبرئیل علیہ السلام آئے۔ میرا سینہ چاک کیا۔ پھر اسے زمزم سے دھویا۔ پھر حکمت وایمان سے پر سونے کی ایک طشتری لائے جسے میرے سینہ میں انڈیل دیا، پھر اسے بند کردیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان دنیا کی طرف پرواز کیا۔

(ب) زمزم میں کھانے کی غذائیت اور بیماری کی شفا ہے:

امام مسلم نے عبد اللہ بن صامت سے، وہ حضرت ابوذر - رضی اللہ عنہ - سے، ان کے اسلام لانے کے واقعہ میں روایت کرتے ہیں۔ اس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر سے کہا: یہاں کب سے ٹھہرے ہو؟ انہوں نے کہا: یہاں تیس رات سے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تمہیں کون کھلاتا تھا؟ انہوں نے کہا: آبِ زمزم کے علاوہ میرا کوئی کھانا نہ تھا، جس سے میں موٹا ہوگیا، یہاں تک کہ میرے پیٹ کی سلوٹیں مڑنے لگیں۔ اور میں اپنے معدے میں ہلکی بھوک بھی نہیں محسوس کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

"إنها مباركة، إنها طعام طعم". (۲)

یہ بابرکت پانی ہے، اور اس میں بہترین غذائیت ہے۔

طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خير ماء على وجه الأرض: ماء زمزم، فيه طعام من الطعم، وشفاء من السقم". (۳)

روئے زمین پر سب سے عمدہ پانی آب زمزم ہے، اس میں کھانے کی غذائیت اور بیماری سے شفا ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحج، باب ما جاء فی زمزم۔ حدیث نمبر ۱۶۳۶۔

(۲) صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۴۷۳۔

(۳) معجم طبرانی کبیر: ۹۸/۱۱ حدیث نمبر ۱۱۶۸، شیخ البانی نے اسے سلسلۂ صحیحہ (۴۵/۳) میں صحیح کہا ہے۔

ازرقی نے مجاہد سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ زمزم کا پانی جس غرض سے پیا جائے (مفید ہے) اگر شفا چاہتے ہوئے پیا ہے، تو اللہ تعالی شفا دے گا۔ اگر پیاس کی وجہ سے پیا ہے تو اللہ تعالی سیراب کرے گا۔ اور اگر بھوک کی وجہ سے پیا ہے تو اللہ تعالی شکم سیری عطا کرے گا۔ یہ جبرئیل علیہ السلام کی اپنی ایڑی کی رگڑ ہے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اللہ کی سیرابی ہے۔(۱)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں اور میرے علاوہ دوسروں نے بھی آب زمزم سے شفایابی چاہتے ہوئے عجیب چیزوں کا تجربہ کیا ہے۔ میں نے متعدد بیماریوں سے شفا چاہی ہے اور اللہ کے حکم سے کامل شفا ملی بھی ہے۔ اور میں نے ان لوگوں کا مشاہدہ کیا ہے، جو کئی دنوں تقریبا آدھا مہینہ یا اس سے کچھ زیادہ تک آب زمزم سے غذائیت حاصل کی ہے اور بھوک بھی محسوس نہیں کی ہے۔ اور لوگوں کے ساتھ ان کے ایک فرد کی طرح طواف بھی کیا ہے''۔(۲)

(ج) آب زمزم بہترین پانی، اوراس کا کنواں عمدہ کنواں ہے:

انہیں نصوص میں سے جو آب زمزم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا کہ روئے زمین پر سب سے عمدہ پانی زمزم ہے۔ اوراس کا کنواں سب سے عمدہ کنواں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سابقہ حدیث میں ہے کہ: "خير ماء على وجه الأرض ماء زمزم ......" روئے زمین پر سب سے عمدہ پانی آب زمزم ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ آب زمزم ایک بابرکت پانی ہونے کے باوجود اس سے وضو کرنا، غسل کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اور اس سے کپڑا دھونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔(۳)

(د) آب زمزم سے شکم سیر ہونے کی مشروعیت:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن آية ما بيننا وبين المنافقين: أنهم لا يتضلعون من ماء زمزم" (۴)

یقیناً ہمارے اور منافقوں کے درمیان ایک وجہ امتیاز نشانی یہ ہے کہ وہ آب زمزم سے شکم سیر نہیں ہوتے (اور ہم مسلمان شکم سیر ہو کے پیتے ہیں)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اور یہ اس لیے کہ آب زمزم محض میٹھا اور شیریں پانی ہی نہیں بلکہ قدرے نمکین

---

(۱) یہ روایت مرفوعا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جسے دارقطنی (۲/۲۸۹) اور حاکم (۱/۶۴۶) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے عبدالرزاق (مصنف ۵/۱۱۸) اور ازرقی نے اخبار مکہ (۲/۵۰) میں مجاہد سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(۲) زاد المعاد: ۳/۴۰۶۔ (۳) مجموع فتاوی ابن باز: ۱۷/۲۳۰۔

(۴) اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن (۲/۱۰۱۷ حدیث نمبر ۳۰۶۱) میں، حاکم نے مستدرک (۱/۴۷۳) میں، بیہقی نے سنن کبری (۵/۱۴۷) میں اور طیالسی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ بوصیری نے مصباح الزجاجہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "هذا حديث صحيح، رجاله ثقات" یہ حدیث صحیح ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ہے۔ اور مومن بندہ اس پانی کو جو ہلکا نمکین ہو، صرف اس لیے پیتا ہے کہ وہ اس کی برکت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس لیے آب زمزم سے شکم سیر ہونا ایمان کی دلیل ہوئی۔(۱)

آب زمزم کو مکہ سے باہر لے جانے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وارد ہے کہ وہ زمزم مکہ سے باہر لے جاتی تھیں، اور فرماتیں کہ نبی ﷺ ایسا کرتے تھے۔(۲)

۹-منیٰ، عرفات اور مزدلفہ:

بلد حرام اور اس کے قریب حج کی معظم جگہوں میں سے جن کا شارع نے حج کے فرائض کی ادائیگی میں قصد و زیارت کا حکم دیا ہے: عرفات، مزدلفہ اور منیٰ ہیں۔ مگر عرفہ حرم کا حصہ نہیں۔ شرعی نصوص بکثرت وارد ہیں جن میں ان مواقع اور مقامات کا ذکر ہے، وہ ان کی فضیلت اور ان جگہوں میں مناسک حج، عبادات اور دیگر اعمال کے مشروع ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

انہی نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ أَن تَبۡتَغُواْ فَضۡلاً مِّن رَّبِّكُمۡ فَإِذَآ أَفَضۡتُم مِّنۡ عَرَفَٰتٍ فَٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ عِندَ ٱلۡمَشۡعَرِ ٱلۡحَرَامِ وَٱذۡكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمۡ وَإِن كُنتُم مِّن قَبۡلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ، ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنۡ حَيۡثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ وَٱسۡتَغۡفِرُواْ ٱللَّهَ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرۃ:۱۹۸-۱۹۹)

(ترجمہ) تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کرو، اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے۔ پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔

ان آیات میں ''عرفات'' کے ذکر کی صراحت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿من حيث أفاض الناس﴾ میں عرفات کی طرف اشارہ ہے، اور ﴿المشعر الحرام﴾ میں مزدلفہ کی طرف اشارہ ہے۔

مشعر حرام: مزدلفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان، عرفہ کے دو تنگ راہوں سے لے کر وادی محسر تک ہے۔(۳)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''......گویا کہ اللہ تعالیٰ نے عرفہ میں ٹھہرنے والے کو حکم دیا ہے کہ مزدلفہ پہنچیں تاکہ مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کریں۔ نیز انہیں یہ حکم دیا ہے کہ عرفات میں ان کا وقوف تمام لوگوں کے ساتھ ہو، جیسا کہ تمام لوگ وہاں ٹھہرتے ہیں، مگر قریش مکہ حرم سے نہیں نکلتے تھے۔ اور حِل کے قریب ایک گوشہ میں ٹھہرتے تھے (یعنی عرفات نہیں

---

(۱) الشرح الممتع ۳۷۹/۷۔

(۲) اسے امام ترمذی نے اپنی سنن (۲۸۶/۳، حدیث نمبر ۹۶۳) میں روایت کیا ہے اور کہا کہ: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ نیز امام بخاری نے تاریخ کبیر (۱۸۹/۳) میں، اور بیہقی نے سنن کبریٰ (۲۰۲/۵) میں روایت کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ صحیحہ (۵۷۲/۲، حدیث نمبر ۸۸۳) میں اسے صحیح کہا ہے۔

(۳) دیکھئے: تفسیر طبری: ۱۶۷/۱۔

جاتے تھے، بلکہ مزدلفہ ٹھہر کر لوٹ جاتے تھے) اور کہتے تھے کہ اللہ کے شہر میں ہم تو اللہ والے اور اس کے گھر کے محافظ ہیں''۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: قریش اور ان کے دینی ہم نوا مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور اسے ''حُمس'' (یعنی دین میں پختگی) کا نام دیتے تھے۔ اور تمام عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ عرفات میں ٹھہریں۔ پھر وہاں سے لوٹیں۔ اسی کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس﴾ پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔(۲)

ایسے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، قتادہ اور سُدّی وغیرہم نے بیان کیا ہے۔ اسی کو علامہ ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے، اور اس پر علماء کا اجماع بیان کیا ہے۔(۳)

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَاذْكُرُواْ اللّهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى﴾ (البقرۃ:۲۰۳) (ترجمہ) اور اللہ تعالی کی یاد ان گنتی کے چند دنوں (یعنی ایام تشریق) میں کرو۔ دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں، اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ صرف پرہیز گار کے لیے ہے۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَأَذِّن فِيْ النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِيْنَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ، لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ﴾ (الحج:۲۷، ۲۸) (ترجمہ) اور لوگوں میں حج کی منادی کردے۔ لوگ تیرے پاس پاپیادہ آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔ تاکہ اپنے لیے دینی ودنیاوی فائدے حاصل کریں۔ اور ان چند مقررہ دنوں میں ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں جو اللہ تعالی نے بطور روزی انہیں دیا ہے پس تم لوگ اس کا گوشت کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔

ان دونوں آیتوں میں منی کی طرف اشارہ ہے۔ کیوں کہ ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں جنہیں حجاج کرام منی میں گزارتے ہیں۔ امام قرطبی نے کہا: علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں ایام معدودات سے مراد ایام منی (یعنی ایام تشریق) ہیں۔(۴) اور ایام معلومات کی تفسیر میں اختلاف کی بنیاد پر اس سے مراد: ایام منی، یا بعض ایام منی ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ نے ''ایام معلومات'' کی تفسیر میں کہا ہے: بعض مفسرین کے قول میں ''ایام معلومات'' وہی ایام تشریق ہیں۔ اور بعض مفسرین کے قول میں ''عشرۂ ذوالحجہ'' ہیں۔ اور بعض مفسرین کے قول میں ''یوم النحر'' اور ایام تشریق (یعنی

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۲۴۲۔ (۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالى: ﴿ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس﴾ حدیث نمبر ۴۵۲۰۔
(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/۲۴۲۔ (۴) الجامع لأحکام القرآن (تفسیر قرطبی) ۱/۳۔

۱۱،۱۲،۱۳ ذوالحجہ) ہیں۔(۱)

منی میں واقع مسجد خیف کے بارے میں وہ روایت ہے، جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔

"صلى في مسجد الخيف سبعون نبيا ......" الحديث۔ (۲) مسجد خیف میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔

ان تمام مقامات کی طرف اشارہ عبدالرحمٰن بن یعمر الدیلمی کی اس روایت میں بھی ہے کہ نجد کے چند افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ عرفہ میں تھے۔ ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا۔ آپ نے منادی کو یہ حکم دیا کہ "(وقوف) عرفہ ہی حج ہے" جو جمع (یعنی مزدلفہ) کی رات طلوع فجر سے پہلے (عرفہ) آیا۔ اس نے حج پالیا۔ ایام منی تین دن (۱۱،۱۲،۱۳ ذی الحجہ) ہیں۔ پس جس نے دو دن میں جلدی کی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔(۳) آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"كل عرفة موقف، وكل منى منحر، وكل مزدلفة موقف، وكل فجاج مكة طريق ومنحر"۔ (۴)

پورا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور پورا منی ذبح کرنے کی جگہ ہے۔ اور پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور مکہ کی ساری گلیاں راستہ اور ذبح کی جگہ ہیں۔

یہ حج کے مقامات اور ان کی زیارت کی تخصیص کے بارے میں حج کے مشروع اعمال کی ادائیگی کے لیے چند قولی نصوص ہیں۔ حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کا فعل اس کی توضیح کرتا ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے ان مواقع کا قصد کیا ہے۔ اور ان جگہوں میں اللہ کا ذکر اور حج کی ادائیگی کی ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ فرمایا: "لتأخذوا مناسككم" (۵) مجھ سے اپنے حج کے طریقے سیکھ لو۔

یہ اس چیز پر عملی دلیل ہے جن کی طرف ان مواقع کی فضیلت اور شارع کی تعظیم کی بابت اشارہ گذر چکا ہے۔

☆☆☆

---

(۱) تفسیر طبری ۱۰۸/۱۷۔

(۲) اس روایت کو طبرانی نے معجم کبیر (۱۵۵/۳) اور معجم اوسط (۱۹۹/۱) میں، اور ازرقی نے اخبار مکہ (ص ۳۵، ۳۸) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن ہے، جیسا کہ منذری نے کہا ہے۔ نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے تحذیر الساجد (ص ۱۰۶) میں اسے حسن کہا ہے۔

(۳) اس لفظ کے ساتھ امام ترمذی نے روایت کیا ہے (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۸۸۹) نیز اسے ابوداود (حدیث نمبر ۱۹۴۹) نسائی ۲۶۴/۵، ۲۶۵، اور ابن ماجہ (حدیث نمبر ۳۰۱۵) نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۴) اس حدیث کو اس لفظ کے ساتھ ابوداود (حدیث نمبر ۱۹۳۶) نے صحیح سند سے، اور ابن ماجہ (حدیث نمبر ۳۰۴۸) نے روایت کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۵۹۷/۵) میں اسے صحیح کہا ہے۔

(۵) صحیح مسلم کتاب الحج، باب استحسان رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر (حدیث نمبر ۱۲۹۷) نیز اسے نسائی نے اپنی سنن (۲۷۰/۵) میں بایں لفظ "خذوا مناسككم" روایت کیا ہے۔

دعوت وتبلیغ

دعوت کا نبوی طریقہ

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

اسلام دین رحمت ہے جو اپنی ہمہ گیر خصوصیات وامتیازات کی بنا پر ترقی پذیر ہے۔اس کی خوبیاں وعطر بیزیاں لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہی ہیں اور لوگ اسلام کے سایۂ عاطفت میں ہی اپنے آپ کو مطمئن ومامون سمجھتے ہیں، جیسا کہ حال ہی میں ایک نوجوان فٹبالر ڈینی بلم نے اسلام قبول کیا اور اسلام کو امن کا علم بردار قرار دیتے ہوئے کہا: اسلام مجھے امید اور قوت عطا کرتا ہے، جب کہ عبادات میری روح کو سکون پہنچاتی ہیں۔(انقلاب، ۲۹؍جنوری ۲۰۱۵ء ص۱۲)

یہی وجہ ہے کہ آج مختلف تنظیمیں گھر واپسی کے نام پر ہندو بنانے کی سعی کر رہی ہیں، طرح طرح کی لالچ دے کر تبدیلئ مذہب پر مجبور کیا جا رہا ہے اور ایسی حالت میں بھی حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ایسے حالات میں مسلم تنظیموں کو متحرک ہونا چاہیے اور دعوتی حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے دین اسلام کی حقانیت کو واضح کرنا چاہیے۔جذبات کی رو میں بہنے کی ضرورت ہے نہ مشتعل ہونے کی اور نہ ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے میں عافیت، بلکہ اللہ کے رسول کی دعوتی زندگی کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی دعوت وتبلیغ پر مشتمل تھی۔آپ بھیجے ہی اسی لیے گئے تھے تاکہ لوگوں کو منکرات سے روکیں اور معروف کو فروغ دیں اور اسلام کی حقانیت کو لوگوں کے دلوں میں پیوست فرمائیں، قرآن پاک میں اللہ رب العالمین نے اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً، وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً﴾ (الاحزاب: ۴۵-۴۶) کہ اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔اور پھر اسی سورہ کی اگلی آیت میں اللہ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلاً كَبِيراً﴾ (الأحزاب: ۴۷) کہ آپ مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ انہیں اللہ کی طرف سے بڑا فضل ملے گا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں علامہ ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی حفظہ اللہ رقم طراز ہیں: اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ جو لوگ ان پر ایمان لے آئیں اور عمل صالح کریں، انہیں اللہ کی جانب سے گناہوں کی مغفرت اور جنت کی بشارت دے دیں۔اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں آکر دین کی تبلیغ میں سستی نہ کریں۔اور حق کی آواز بلند کرنے اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے میں کوتاہی نہ کریں۔اور ان کے فعل بد کی وجہ سے انہیں نقصان نہ پہنچائیں، بلکہ عفو ودرگزر سے کام لیں اور اپنے تمام امور میں اللہ پر بھروسہ کریں۔اس لیے کہ وہ بحیثیت وکیل وکارساز ان کے لیے کافی ہے۔(تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ص۱۱۹۲)

قارئین حضرات!

آج کے اس پرآشوب وپرفتن دور میں اکثر لوگ دعوت کے کام میں جذبات سے کام لیتے ہیں اور بڑے سے بڑا کام کو پلک جھپکنے میں انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں اور صبر کا دامن نہیں تھامتے۔اس کے برعکس جب ہم دعوت کے نبوی طریقے پر غور کرتے ہیں تو ہمیں آپ کی دعوت سراپا صبر وتحمل سے لبریز نظر آتی ہے، نیز آپ کی نبوی زندگی مصائب وآلام سے دوچار نظر آتی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ آپ کے دعوتی طریقے کی ایک مختصر سی جھلک آپ کی خدمت میں پیش کروں تاکہ آپ کے سامنے دعوت وتبلیغ کی اصل شکل واضح ہوجائے۔

جب ہم نبی ﷺ کے نبوی دور کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپ کی رسالتی زندگی دوحصوں میں منقسم تھی۔ایک مکی زندگی، دوسری مدنی زندگی۔

آپ کی مکی زندگی تین حصوں پر مشتمل تھی:

☆ پس پردہ دعوت کا مرحلہ، تین برس۔

☆ اہل مکہ میں کھلم کھلا دعوت وتبلیغ کا مرحلہ، چوتھے سال نبوت کے آغاز سے دسویں سال کے اواخر تک۔

☆ مکہ کے باہر اسلام کی دعوت کی مقبولیت اور پھیلاؤ کا مرحلہ، دسویں سال نبوت کے اواخر سے ہجرت مدینہ تک۔ (الرحیق المختوم:۱۰۰)

اسی طرح آپ کی دعوت کی مدنی زندگی بھی تین مراحل پر مشتمل تھی:

☆ پہلا مرحلہ: جس میں فتنے اور اضطرابات برپا کیے گئے۔اندر سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے چڑھائیاں کیں۔یہ مرحلہ صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ پر ختم ہوجاتا ہے۔

☆ دوسرا مرحلہ: جس میں بت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی۔یہ فتح مکہ رمضان ۸ھ پر منتہی ہوتا ہے۔یہی مرحلہ شاہان عالم کو دعوت دین پیش کرنے کا بھی مرحلہ ہے۔

☆ تیسرا مرحلہ: جس میں خلقت اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوئی۔یہی مرحلہ مدینہ میں قوموں اور قبیلوں کے وفود کی آمد کا بھی مرحلہ ہے۔یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اخیر تک یعنی ربیع الاول ۱۱ھ تک ممتد ہے۔ (الرحیق المختوم:۲۷۵)

دعوتی مشن کا آغاز سب سے قبل اپنے گھر، اہل خانہ اور اپنے رشتہ داروں سے کرنا چاہیے۔اور یہی حکم اللہ رب العالمین نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو کیا تھا، فرمان الہی ہے: ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ (الشعراء:۲۱۴) یعنی اے نبی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

مذکورہ فرمان الہی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف رشتہ داروں کے لیے ہی نذیر وبشیر بن کر آئے تھے، بلکہ آپ کی

دعوت عام تھی۔حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ’’پیغمبر کی دعوت صرف رشتہ داروں کے لیے نہیں، بلکہ پوری قوم کے لیے ہوتی ہے اور نبی ﷺ تو پوری نسل انسانی کے لیے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔قریبی رشتہ داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں، بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ایک ترجیحی پہلو ہے،جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دی تھی۔(ترجمہ جونا گڑھی ص ۱۰۴۱)

جب ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ والی آیت کریمہ کا نزول ہوا تو آپ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور یاصباحاہ کی صدا بلند کی۔لوگ کہنے لگے کون ہے؟ جب لوگ اکٹھا ہوگئے تو آپ نے فرمایا: أرأيتم إن أخبرتكم ان خيلا تخرج من سفح هذا الجبل، أكنتم مصدقي؟" تم لوگوں کا کیا خیال ہے، اگر میں تم لوگوں کو اس بات کی اطلاع دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ سے نکلنے والا ہے، کیا تم میری تصدیق کروگے؟ سب نے بآواز بلند کہا: آپ کو ہم نے کبھی جھوٹا نہیں پایا ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا: تو سنو!

"فإني نذير لكم بين يدي عذاب شديد" میں تم لوگوں کو سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔(ادھر) ابولہب بول پڑے: "تبا لك، ما جمعتنا إلا لهذا؟" تمہاری ہلاکت ہو، کیا تم نے ہمیں صرف اسی لیے اکٹھا کیا تھا؟ اس وقت تبت يدا أبي لهب وتب والی سورہ نازل ہوئی۔(صحیح البخاری:۴۹۷۱)

پتہ چلا کہ داعی کو سب سے قبل دعوت کا کام اپنے اقرباء سے شروع کرنا چاہیے، نیز ان کے عادات واطوار مستحسن ہو، تا کہ وہ لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکے، اور لوگ ان کی باتوں سے متاثر ہوں۔

داعی کو چاہیے کہ اللہ کی جانب سے جو حق بات ہے اسے لوگوں تک پہنچا دے اور بدقماش لوگوں کی پرواہ نہ کرے، کیونکہ ہر زمانے میں ایسے لوگ اسلام کے دشمن تھے اور رہیں گے، اور اسلام اسی طرح پھیلتا رہے گا، جس طرح ابتدائے زمانۂ نبوی تا زمانۂ حال پھیل رہا ہے۔

اسی کی طرف اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين﴾ (الحجر:۹۴) آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے، اسے کھول کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے۔پھر فرمایا: ﴿إنا كفيناك المستهزئين﴾ (الحجر:۹۵) ہم مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں۔

دور حاضر کے دعاۃ کے لیے نبی ﷺ کے سفر طائف میں بڑا سبق ہے۔آپ نے کس قدر وہاں حکمت عملی سے کام لیا اور اوباشوں وبدقماشوں کو گالی کے بجائے دعا دیتے ہوئے وہاں سے نکل آئے اور پھر دعوت کے کام کو اور تیز کر دیا۔وہ اس طرح سے کہ طائف کے سفر کی ناکامی کے بعد آپ نے مختلف قبائل کی طرف رخ کیا اور ان کے پاس تشریف لے جا کر ان پر اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن ان قبائل نے بھی آپ کو مایوس کیا، مثلا بنوکلب، بنوحنیفہ وغیرہ، تب بھی آپ چپ نہ بیٹھے۔

آخر کار آپ ﷺ کی سعی رنگ لائی اور لوگ اسلام کی آغوش میں آتے چلے گئے اور اسلام کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔

اسی طرح ایک حقیقی مبلغ کے لیے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی ہجرت مدینہ بھی بے حد سبق آموز ہے، جب ہر طرف سے نبی اور آپ کے اصحاب کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا اور دعوت کے کام میں رکاوٹیں در آنے لگیں۔ تو آپ نے صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ حکم پا کر صحابہ کرام نے اپنے اعزہ واقارب، مال ومنال اور اہل وعیال کی قربانی دے کر مدینہ کی جانب کوچ کر گئے، جہاں نہ رشتہ دار موجود، نہ تعیین منزل مقصود، لیکن اللہ تعالی نے تمام مہاجرین کی حفاظت فرمائی اور انصاریوں نے اچھی بھائی چارگی اور اسلام دوستی کی بہترین نظیر پیش کی، جس سے دعوت دین کو فروغ ملا اور وہیں سے اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیل گیا۔

دین اسلام کی دعوت کو عام کرنے والے دعاۃ کو چاہیے کہ علاقائی دورہ کریں اور وہاں موجود لوگوں کی مدد کے لیے آگے آئیں اور وہاں کی ضروریات کی تکمیل کرائیں، مثلاً: مسجد نہ ہو تو مسجد بنوا دیں، مکتب کی ضرورت ہو تو ایک دو مکتب کی بنیاد ڈال کر اسے اتمام تک پہنچائیں، تاکہ وہاں اسلام کی تعلیم عام ہو اور اس کا دائرہ وسیع ہو، اور یہ دعوت اسلام کا ایک جزء ہے، کیوں کہ اسلامی تعلیم جس قدر عام ہوگی، اسلام کا دائرہ بھی اسی قدر وسیع ہوگا، اور اس کی نظیر ہمیں آپ ﷺ کی مدنی زندگی کی ابتداء میں نظر آتی ہے، آپ نے جب مدینہ کی جانب ہجرت کی تو وہاں ایک مسجد کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ باقاعدہ مسجد کی تعمیر کی شروعات کر دی، جس میں صحابہ کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، نبی بھی بذات خود کام کرتے جاتے اور کہتے جاتے:

اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة
فاغفر للأنصار والمهاجرة

اے اللہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، انصار ومہاجرین کو بخش دے۔

آپ کو بنفس نفیس کام میں مشغول دیکھ کر صحابہ کرام کا جوش اور تیز ہو گیا اور انہوں نے کام کی رفتار تیز کر دی۔ اس وقت ان کی زبانوں پر یہ الفاظ تھے:

لئن قعدنا والنبي يعمل
لذاك منا العمل المضلل

اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی کام کریں تو ہمارا یہ کام گمراہی کا کام ہوگا۔ (الرحیق المختوم: ۲۸۸-۲۸۹)

نیز دعوت دین کی راہ میں ہمیں آپ کی شجاعت وبہادری بھی نظر آتی ہے۔ لہذا آج کے دعاۃ کو بھی اس اہم وصف سے متصف ہونا از حد ضروری ہے۔ یاد کیجئے اس وقت کو جب کفار مشرکین نے ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ کے گھر کا مکمل گھیراؤ کر لیا اور ہر چہار جانب لوگوں کو متعین کر دیا، تاکہ آپ نکل نہ سکیں، لیکن آپ شجاعت وبہادری کا زوردار مظاہرہ کرتے ہوئے

اپنے گھر سے نکلے اور لشکر مشرکین پر ایک مٹھی مٹی پھینک کر یہ آیت ﴿وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدّاً فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لاَ يُبْصِرُونَ﴾ (سورہ یٰسین:۹) کی تلاوت فرماتے ہوئے مشرکین کے صفوں کو چیرتے ہوئے گزر گئے، اور مشرکین کی فوج اپنے مشن میں پوری طرح ناکام ثابت ہوئی۔

دعوت نبوی پوری حکمت ودانائی سے پُر تھی اور آپ کو اس کا حکم بھی دیا گیا تھا جو قرآن کریم کی اس آیت ﴿ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (النحل:۱۲۵) سے معلوم ہوتا ہے۔یعنی اے نبی آپ اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) حکمت ودانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے،اور حسن اسلوب اور عمدہ طریق پر ان سے بحث ومباحثہ بجالائیے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ نے ابن جریر کا قول نقل کیا ہے کہ حکمت سے مراد قرآن وسنت ہے۔یعنی دعوت کا طریقہ ان ہی دونوں کی روشنی میں متعین کریں اور صاحب فتح البیان کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حکمت سے مراد ایسی صحیح اور صریح بات ہے جو حق کو واضح کردے اور ہر شک وشبہ کا ازالہ کردے اور موعظہ سے مراد ایسی اچھی گفتگو ہے جسے سننے والا پسند کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔(تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ص۷۹۲)

اس آیت کریمہ میں دعوت کے حسن طریق کا یہ پہلو بھی موجود ہے کہ اگر کوئی شخص حق بات پر بھی اعتراض کرے اور بحث ومباحثہ پر اتر آئے تو اس میں یہ حکمت اپنائی جائے کہ اس کے ساتھ بحث ومباحثہ میں دل نشین انداز اپنایا جائے اور حسن بیان سے اس کے دل پر اپنا اثر چھوڑا جائے تاکہ مخالف شخص برانگیختہ نہ ہو اور حق کی طرف اس کے رجحان کی شدت پیدا ہو۔

ان تمام معروضات سے یہ بات روز روشن کی مانند عیاں ہوگئی کہ حق کے داعی کو کب کس موقع پر کیا کرنا چاہیے اور کس موقع پر کن باتوں سے گریز کرنا چاہیے، تاکہ حق کا بول بالا ہو اور اسلام کی حقانیت وصداقت لوگوں پر اچھی طرح واضح ہوجائے۔اور مخالفین کو کسی طرح کا کوئی اعتراض کرنے کا موقع ہاتھ نہ آئے۔اور اگر کوئی اعتراض کرنے پر اتر آئے اور کھلی مخالفت کرے تو اس کی مخالفت کا جواب بڑی دوراندیشی اور حکمت عملی سے دیا جائے۔جو کہ نبی ﷺ کی دعوتی دور خواہ وہ مدنی دور ہو یا مکی، دونوں سے ثابت ومستفاد ہے۔وہ نبی جن کی دعوت کے اہل عرب ابتدا میں تو سخت مخالف تھے حتی کہ نبی کو جان سے مار ڈالنے کی ٹھان لی تھی،لیکن آخرکار ان پر نبی ﷺ اپنی حکمت عملی اور صبر وضبط اور اللہ کی مدد سے فتح یاب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت کے میدان میں نبی ﷺ کے دعوتی طریقے کو اپنانے کی توفیق دے،آمین۔

☆☆☆

شخصیات

مولانا ابوطاہر فاضل بہاری رحمہ اللہ

مولانا محمد ایوب سلفی/استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

صوبہ بہار کے نامور، باکمال علماء ودعاۃ اہل حدیث کے اعمال وخدمات، ان کی علمی، دعوتی، تنظیمی وتدریسی سرگرمیوں پر مشتمل سلسلہ ماہنامہ محدث بنارس کے ذریعہ وقتاً فوقتاً قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی ان شاءاللہ۔ مولانا ابوطاہر بہاری رحمہ اللہ صوبہ بہار کے ایک عظیم عالم دین اور داعی اسلام گذرے ہیں، ان کے اعمال وخدمات اور تدریسی ودعوتی خدمات کے سلسلے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوسکی۔ مولانا ابوطاہر بہاری رحمہ اللہ کے فرزند جناب محمد طاہر رحمہ اللہ کے قلم سے لکھا گیا ایک مختصر مضمون ملا۔ اس تحریر اور کچھ دیگر معلومات کی روشنی میں آپ کے حالات زندگی مختصراً پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ولادت وتعلیم:

آپ کی ولادت باسعادت ۲۷ر ربیع الاول ۱۲۹۶ھ بروز سوموار ضلع مونگیر کے موضع ''برہنڈہ'' میں ہوئی۔ والدین کے زیر سایہ آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔ ابتداءہی سے آپ کی ذہانت وفطانت عیاں ہونے لگی تھی۔ آپ ایک روز میں دودو اور تین تین اسباق لیتے اور یاد کرکے سنادیتے تھے۔ آپ جو کچھ بھی پڑھتے تھے وہ نقش کالحجر ہوجاتا۔ آپ کے اساتذہ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتے۔ ایک ہی سال میں آپ نے قرآن اور ابتدائی اردو وغیرہ کی تعلیم حاصل کرلی اور فارسی پڑھنا شروع کردیا۔ دس سال کی عمر میں آپ فارسی زبان وادب کی تعلیم سے فارغ ہوگئے اور خطوط ومضامین بھی لکھنے لگے۔ اس وقت تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ طالب علم کو اردو عربی وناظرہ قرآن کی ابتدائی تعلیم کے بعد پہلے فارسی زبان پڑھائی جاتی تھی اور اس زبان میں مکمل مہارت کے بعد عربی زبان وادب اور دینیات کی تعلیم دی جاتی۔ فارسی زبان پڑھنے اور اس زبان میں مہارت کے بعد آپ نے عربی کی تعلیم شروع کی۔ ابتدائی کتابیں مولانا وحیدالحق صاحب استھانوی بہاری رحمہ اللہ سے پڑھیں، جب مولانا موصوف بیمار ہوگئے اور سبق کثرت سے ناغہ ہونے لگا تو آپ مولانا الٰہی بخش خان محدث براکری بہاری رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے۔ مولانا الٰہی بخش رحمہ اللہ آپ کو پوری توجہ اور انہاک سے پڑھانے لگے۔ چندہی سالوں میں آپ عربی، علوم شرعیہ اور معقولات کی امہات الکتب کی تعلیم حاصل کرکے سند اجازت حاصل کرلی۔ درسی کتابوں میں قاضی مبارک، شرح مطالع، شرح چغمنی، توضیح، تلویح، شرح

اشارات، طوسی ورازی اور الحاکمات وغیرہ مولانا پردل قندھاری رحمہ اللہ سے پڑھیں اور باقی کتابیں مولانا الٰہی بخش خان محدث بہاری اور منیب خان صاحب رامپوری سے پڑھیں۔

علمی مقام ومرتبہ:

آپ علوم شرعیہ وعقلیہ دونوں میں یکساں مہارت رکھتے تھے، نحو وصرف آپ کا خاص میدان تھا، اس فن کی اہم کتابوں پر عبور رکھتے تھے، آپ کو قدرت کی طرف سے حیرت انگیز ذہانت وفطانت کا تحفہ ملا تھا۔ پڑھنے اور مطالعہ کے ذوق کا بھی وافر حصہ آپ نے پایا تھا۔ دوران درس ہی آپ کی حیرت انگیز صلاحیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ آپ کے اساتذہ آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر تعجب کرتے۔ دوران تدریس آپ کی علمی صلاحیتوں میں مزید نکھار اور جلاء پیدا ہوئی۔ آپ کی اعلی علمی صلاحیتوں اور بے مثال ذہانت وذکاوت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ مدرسہ اہل سنت پٹنہ میں بحیثیت مدرس تشریف لے گئے تو وہاں آپ سے پہلے مولانا عبداللہ نیطقی پنجابی رحمہ اللہ صدر مدرس تھے۔ آپ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ طلبہ کو قطبی کا درس دے رہے تھے۔ دوران درس آپ نے کہا کہ یہ عبارت غلط ہے۔ مولانا ابوطاہر بہاری رحمہ اللہ نے آپ کا یہ جملہ سن لیا۔ آپ نے کہا کہ ہرگز یہ عبارت غلط نہیں، بالکل صحیح اور بامعنی ہے۔ پھر اس عبارت کی ایسی بہترین، دلنشیں اور عام فہم اور خوش اسلوبی سے تشریح کی کہ نہایت آسانی کے ساتھ عبارت کا معنی ومفہوم طلبہ کو سمجھ میں آ گیا۔ اس روز سے طلبہ میں آپ کی اس قدر مقبولیت بڑھی کہ اوسط اور اعلی درجات کے طلبہ آپ ہی سے پڑھنے کے زیادہ خواہش مند نظر آنے لگے۔

تدریسی خدمات:

ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۱۳ھ میں مدرسہ فیض رسول بہار قائم ہوا تو آپ اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ تقریبا چودہ سالوں تک اس مدرسہ میں آپ کی خدمات اور فیض رسانی کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں سیکڑوں طلبہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے شعور وآگہی اور علم ومعرفت کے گرانقدر موتیوں سے اپنے دامن مراد بھرے۔ آپ اس مدرسہ کے اندر انتظام وانصرام اور نظم واہتمام جیسی ذمہ داریوں سے بھی منسلک رہے۔

کچھ دنوں تک آپ مدرسہ اہل سنت پٹنہ میں بھی مدرس ومربی رہے۔ یہاں آپ طلبہ کو اونچی کتابیں خصوصا منطق وفلسفہ اور شرعی علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اس مدرسہ میں جناب مولانا عبدالعزیز نبیٹھوی معقولی رحمہ اللہ جو اس وقت دربار عالی ریاست رامپور میں تشریف رکھتے تھے اور مدرسہ اہل سنت پٹنہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے آتے تھے کے ساتھ وجود اور عدم وجود کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ دیر تک دونوں طرف سے تقریر ہوتی رہی۔ گفتگو نے مناظرہ

کا رخ اختیار کرلیا۔ بالآخر مولانا عبدالعزیز معقولی رحمہ اللہ خاموش ہوگئے۔ یہاں آپ کی گہری علمی صلاحیتوں پر دلالت کرنے والے ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہوگا۔ اسی مدرسہ اہل سنت پٹنہ میں مولانا وصی احمد پیلی بھیتی رحمہ اللہ بحیثیت ممتحن تشریف لائے تھے۔ دوران امتحان ایک طالب علم نے کافیہ سے بحث غیر منصرف کی عبارت "والنون زادة" "تا" کے رفع کے ساتھ پڑھا۔ ممتحن صاحب نے فرمایا کہ "تا" کے رفع کے ساتھ پڑھنا غلط ہے۔ مولانا ابوطاہر رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں یہ عبارت رفع کے ساتھ ہی صحیح ہے، پھر اہل عرب کے چند اشعار استشہاد میں بیان فرمایا اور علامہ زینی زادہ کی تحریر دکھائی تب جا کر مولانا خاموش ہوئے۔ اس وقعہ کے کچھ دنوں کے بعد مدرسہ کے مہتمم سے کسی بات پر آپ کا اختلاف ہوگیا اور استعفی دے کر آپ نے مدرسہ کو خیر باد کہہ دیا، اور یہاں سے دوبارہ مدرسہ فیض رسول چلے گئے۔ ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ فیض رسول سے قطع تعلق کرکے مدرسہ رحمانیہ دانا پور تشریف لے گئے، یہاں کچھ دنوں تک کام کرتے رہے، پھر مولانا شاہ عین الحق رحمہ اللہ کے مشورہ سے اور علامہ محدث عبدالعزیز رحیم آبادی کے طلب پر مدرسہ احمدیہ مظفر پور شاخ مدرسہ احمدیہ آرہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ تقریبا تین سالوں تک اس مدرسہ میں تعلیم وتدریس کے ساتھ انتظام وانصرام کی ذمہ داری سنبھالتے رہے اور مدرسہ کی تعمیر وترقی میں لگے رہے، جب مولانا عین الحق پھلواروی رحمہ اللہ صدر مدرس مدرسہ احمدیہ آرہ سخت علیل ہوئے اور مدرسہ کے نظم ونسق سنبھالنے کے اہل نہ رہ گئے تو اس مدرسہ کی ضرورت کے پیش نظر آپ مدرسہ احمدیہ آرہ میں صدر مدرس کی جگہ پر تشریف لے آئے۔ مولانا عین الحق پھلواروی رحمہ اللہ نے ملاقات کے وقت فرمایا کہ ہم کو بہت بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ آپ میری جگہ تشریف لائے غیر نہیں آیا۔ اس جملہ سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا عین الحق پھلواروی رحمہ اللہ آپ کی اعلی علمی وانتظامی صلاحیتوں سے واقف تھے تبھی تو انہوں نے آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار فرمایا اور مدرسہ کے لیے آپ کو مناسب اور لائق قرار دیا۔ قابل ذکر ہے کہ مدرسہ احمدیہ آرہ اس وقت پورے ہندوستان کا مرجع، بہت بڑا دینی ادارہ اور علوم شرعیہ کا مرکز مانا جاتا تھا۔ پورے ہندوستان سے بڑے بڑے علماء ماہرین فن اور متخصصین وہاں اکٹھے تھے اور چہار سو سے طالبان علوم نبویہ اور تشنگان علم اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے یہاں جوق درجوق آتے تھے، یہاں ''مذاکرہ علمیہ'' کے نام سے سالانہ علماء ودعاۃ کا بہت بڑا اجتماع اور جلسہ عام منعقد ہوتا تھا۔ آج بھی یہ ادارہ جامعہ سلفیہ بنارس کی ایک شاخ کی حیثیت سے سرگرم عمل ہے۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ مدرسہ احمدیہ آرہ میں کتنے دنوں تک رہے۔ آخر میں آپ جامعہ رحمانیہ دہلی بھی بحیثیت مدرس تشریف لے گئے تھے اور وہاں بھی کچھ دنوں تک دعوتی وتدریسی خدمات انجام دی تھیں۔ جامعہ سلفیہ کے فاضل استاذ فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ نے اپنے سلسلہ وار مضمون "المحدث الشيخ أبو الحسن عبيد الله الرحماني المباركفوري رحمه

الله مؤلف مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: حياته وأعماله" میں آپ کو شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں شمار کیا ہے اور آپ نے ان سے جامعہ رحمانیہ دہلی ہی میں شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ (دیکھئے صوت الأمۃ ماہ فروری ۲۰۱۵ء)

مختلف مدارس اور جامعات میں آپ نے طویل مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے آپ سے اخذ واستفادہ کیا، آپ کے منہل علمی سے اپنی علمی تشنگی بجھائی اور آپ کے علم وفضل کے نور سے ان کا سینہ منور ہوا، آپ کے شاگردوں میں شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری مولف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، مولانا محمد یٰسین مدرس مدرسہ فیض عام بہار، مولانا ابونعیم محمد ابراہیم صاحب بہاری واعظ وداعی اہل حدیث کانفرنس، مولانا حکیم عبدالکریم صاحب بہاری، مولانا عبدالمجید بہاری، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بیربھومی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب بیربھومی، مولانا عزت اللہ صاحب مرشدآبادی، مولانا ولایت حسین صاحب وکیل مدرسہ احمدیہ آرہ، مولانا محمد الیاس صاحب دربھنگوی، مولانا وحافظ محمد عمر صاحب رحیم آبادی، مولانا عبدالمجید ابوالسلاح اعظم گڑھی، مولانا وحافظ محمد صاحب مظفرپوری اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دربھنگوی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

تصنیفی خدمات:

درس وتدریس میں مہارت کے ساتھ اللہ تعالی نے آپ کو تصنیفی وتحریری ذوق وشوق سے بھی نوازا تھا، اس میدان میں آپ اعلی صلاحیت ولیاقت کے مالک تھے، بلکہ بچپن ہی سے آپ اچھے علمی وادبی مضامین لکھنے لگے تھے، آپ کے قلم سے کئی اہم کتابیں معرض وجود میں آئیں، آپ کی تصنیف میں: سوط النبی علی المعترض الغبی، تحقیق انیق، رسالہ لحمیہ، فتوی فوٹوگراف، فیض ابتدائی، تقریر حاصل ومحصول، مسائل ستین وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ مذکورہ ساری کتابیں زیورطبع سے آراستہ ہوسکی ہیں یا نہیں۔

وفات:

مختلف علمی ودعوتی وتنظیمی میدانوں میں گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

سیاست ومدنیت

فساد فی الارض: مفہوم، اقسام اور علاج

اسامہ صغیر سلفی
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

فساد یا افساد فی الارض قرآن کریم کی ایک جامع تعبیر ہے۔ یہ لفظ قرآن میں جا بجا متعدد اسالیب، متنوع پیرائے نیز مختلف سیاق وسباق میں استعمال ہوا ہے، اس کی تفسیر میں اہل علم نے سیاق وسباق کے اعتبار سے الگ الگ معانی ومفاہیم بیان کیے ہیں، غرض یہ کہ فساد فی الارض ایک نہایت ہی جامع و وسیع لفظ ہے جس میں ہر طرح کی ضلالت وگمراہی، شرک وکفر، خرافات واوہام، قتل وغارت گری، فتنہ پروری وشر انگیزی اور حقوق اللہ وحقوق العباد کی پامالی شامل ہے۔ اس مختصر مضمون میں اسی فساد فی الارض کے معانی ومفاہیم، اور انواع واقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ فتنہ وفساد کے ان نوع بنوع مظاہر پر کنٹرول کرنے کے لیے قرآن نے ہمیں کیا نسخہ عطا کیا ہے۔

فساد کا مفہوم:

فساد وافساد یہ صلاح واصلاح کا عکس ہے۔ اہل زبان کے یہاں یہ نقص وخلل سے عبارت ہے، اگر کوئی بھی شیٔ اپنا اعتدال وتوازن، وسطیت واستقامت کھو بیٹھے جو شریعت نے اس کے لئے طے کی ہے تو اسے ہم فاسد سے تعبیر کر سکتے ہیں، عموماً انسانی عقل اور فطرت سلیمہ کے لیے فساد وافساد ایک ناپسندیدہ چیز ہے جبکہ صلاح واصلاح ایک محبوب ومرغوب امر ہے۔

قرآن میں لفظ فساد اور اس کے مشتقات تقریباً پچاس سے زائد مقامات پر وارد ہوئے ہیں، جن میں سے ۴۰ فیصد میں اس کے ساتھ لفظ ''ارض'' بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد کا سرزمین سے نہایت ہی گہرا تعلق ہے اور اکثر فسادات اسی سرزمین میں رونما ہوتے ہیں۔

ماحصل یہ کہ فساد فی الارض قرآن کی ایک شامل و وسیع تعبیر ہے، جو شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی کے تمام انواع واقسام کو محیط ہے خواہ ان کا تعلق عقائد واحکام سے ہو، یا ایمانیات وشرائع سے، نیات واعمال سے ہو یا عبادات ومعاملات سے۔

فساد کی قسمیں اور اور اس کی شکلیں:

اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ فساد فی الارض کی متعدد شکلیں اور قسمیں ہیں، اس کا تعلق عقائد واحکام سے بھی ہو سکتا ہے، تو عبادات، معاملات اور اخلاق وسلوک میں بھی فساد واقع ہو سکتا ہے۔ درج ذیل سطور میں ان ہی اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

عقیدہ کا فساد:

یہ فساد فی الارض کی سب سے بدترین قسم ہے، بلکہ تمام فسادات کی جڑ ہے کیونکہ جب انسان کا عقیدہ وایمان فاسد ہو جائے تو لازماً اس کے اعمال وافعال اور اخلاق وکردار میں بھی فساد آجاتا ہے، عقیدہ کا فساد سے مراد یہ ہے کہ توحید ورسالت اور ایمانیات وغیبیات کے باب میں انسان کا عقیدہ کتاب وسنت کے مخالف ہو اور اس کی سب سے بدترین قسم شرک وکفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ﴾ (النحل: ۸۸) جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انھیں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے یہ بدلہ ہوگا ان کی فتنہ پردازیوں کا۔

ایک جگہ اور فرمایا: ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ﴾ (یونس: ۴۰) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

نیز فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ (الانفال: ۷۳) کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔

نفاق بھی اسی فساد کی ایک قسم ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۲-۱۱) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور (سمجھ) نہیں رکھتے۔

غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے پناہ طلب کرنا بھی فساد ہے: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الاعراف: ۵۶) تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کے بھی اور چپکے چپکے بھی واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کردی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔

اسی طرح انبیاء ورسل کی تکذیب، ان سے عداوت ودشمنی، ان کی مخالفت اور حق کو ٹھکرانا یہ سب فساد عقیدہ میں شامل ہیں: ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ (النمل: ۱۴) انہوں نے انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر، پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔

نیز الحاد و زندیقیت، کہانت و جادوگری، غیر اللہ کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھنا، ان کے لیے نذر و نیاز کرنا، اللہ کے اسماء وصفات کا انکار کرنا، یا اس میں تحریف و تاویل کرنا، غیر اللہ کو اس کا شریک و ساجھی، حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھنا یہ سب فساد کی بدترین شکلیں ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ قمطراز ہیں: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، غیر اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا نیز نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کو قابل اتباع سمجھنا یہ سب فساد کی بدترین اقسام ہیں، بنی آدم کی سعادت وصلاح اسی میں ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں، جو شخص بھی اس دار فانی اور اس کے احوال و ظروف کا بغور مطالعہ کرے گا اس کے لیے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ کی توحید، اس کی عبادت و اطاعت اور رسول ﷺ کی فرماں برداری، فلاح وصلاح کا سرچشمہ ہیں نیز شرک و کفر، غیر اللہ کی اطاعت گزاری اور رسول کے سنن سے بیزاری، فتنہ وفساد، قحط و وبا، اور شر و شقاء کا باعث ہیں۔ (بدائع الفوائد: ۳/۱۵) .

اخلاق و کردار کا فساد:

مذہب اسلام نے انسانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق و کردار سازی پر بھی کافی زور دیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ کریمانہ اخلاق، فاضلانہ کردار اور شریفانہ عادات و اطوار معاشرے اور سماج کی تعمیر و ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں، ان سے باہمی اخوت و بھائی چارگی اور ایثار و قربانی کا جذبہ جنم لیتا ہے۔ اس لیے مذہب اسلام نے اخلاقی تنزل و بحران کو عظیم ترین فساد قرار دیا ہے، چنانچہ ظلم و طغیان، عداوت و سرکشی، طعن و تشنیع، بغض و حسد، کبر و غرور اور تکبر و گھمنڈ کرنے والے کو اللہ نے فسادی قرار دیا ہے، اللہ تعالی قارون کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ (القصص: ۷۶-۷۷) ایک بار اس کی قوم نے کہا کہ اترا مت! اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ تجھے اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیاوی حصے کو نہ بھول جا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔

اسی طرح معاہدوں کی خلاف ورزی، وعدوں سے مکرنا اور رشتے ناطے کو توڑنا بھی فساد ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ (الرعد: ۲۵) اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

اسی طرح جنسی بے راہ روی، فحاشی و عریانیت، اختلاط و انارکی، تبرج و بے حجابی، لواطت و زنا کاری اور ہر طرح کے

فواحش ومنکرات بھی فساد ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَلُوطاً إِذْ قَالَ لِقَومِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ﴾ (العنکبوت: ۲۸ - ۳۰) اور حضرت لوط (علیہ السلام) کا بھی ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بدکاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا کیا تم مردوں کے پاس بدفعلی کے لیے آتے ہو اور راستے بند کرتے ہو اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائیوں کا کام کرتے ہو اس کے جواب میں اس کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا بس جا اگر سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ، حضرت لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ پروردگار! اس مفسد قوم پر میری مدد فرما۔

مالی امور کا فساد:

مال وزر انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، شریعت مطہرہ نے اس بابت ہم پر ایک مکمل نظام لاگو کیا ہے، چنانچہ کسب حرام اور سودخوری سے ہمیں روکا ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرة: ۲۷۵) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔

اسی طرح خرید وفروخت میں دھوکہ دھڑی، خیانت، جھوٹی قسمیں کھانا نیز غبن وغصب، ناجائز طریقوں سے مال کمانا، اس میں اسراف کرنا یہ سب فساد میں شامل ہے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الاعراف: ۳۱) اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ نیز مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی کرنا، بخل وکنجوسی کرنا، اس کو مستحقین پر خرچ نہ کرنا، اموال یتیم میں خیانت کرنا اور ناپ تول میں کمی کرنا بھی فساد ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِين﴾ (الشعراء: ۱۸۳-۱۸۲) اور سیدھی صحیح ترازو سے تولا کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

امن عالم کے لیے خطرہ بننا:

مذہب اسلام امن وامان، چین وسکون اور صلح وآشتی کا علمبردار ہے، اس نے سماج ومعاشرے میں آتنک ودہشت پھیلانے، لوگوں کو ڈرانے دھمکانے، ناجائز خون بہانے قتل وغارت گری، چوری وڈاکہ زنی، لوٹ مار اور غنڈہ گردی کرنے کو فساد سے تعبیر کیا ہے، قرآن کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (المائدة: ۳۴-۳۳) جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد

کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کردیے جائیں یا سولی چڑھادیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انھیں جلاوطن کردیا جائے۔ یہ تو ہوئی ان کی دنیاوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔ ہاں جولوگ اس سے پہلے توبہ کرلیں کہ تم ان پر قابو پالو تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم وکرم والا ہے۔

اللہ رب العالمین نے فرعون کی بابت فرمایا: ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾(القصص:۴) یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کررکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنارکھا تھا اور ان کے لڑکوں کو تو ذبح کرڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا بے شک وہ تھا ہی مفسدوں میں سے۔

نیز لوگوں کے مابین جنگ وجدال، قتل وغارت گری کو ہوا دینا بھی فساد ہے، قرآن کا ارشاد ہے: ﴿كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾(المائدۃ:۶۴) جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے، یہ ملک بھر میں شر اور فساد مچاتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔

ماحولیاتی کثافت:

آج پوری دنیا ماحولیاتی فساد اور آلودگی ءفضا کے مسائل سے دوچار ہے، ان سے نجات کی تلاش وجستجو میں اور ان پر حتی الامکان کنٹرول کرنے کے لیے عالمی سطح پر اقدامات کیے جارہے ہیں، مذہب اسلام نے بھی ہمیں ماحولیات کی نظافت، فضا کی حفاظت، پانی کے بچاؤ نیز جسم، کپڑا، کھانا، گھر آنگن اور شاہراہ وغیرہ کی صفائی وستھرائی کا حکم دیا ہے بلکہ طہارت ونظافت کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان امور کی مخالفت کرے پانی کو ضائع کرے، ماحول وفضا کو گندہ کرے اور عام راستوں پر یا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے تو وہ بھی فسادی ہے، حدیث میں آیا ہے: ”لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ“ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔

شریعت اسلامیہ میں اس طرح کے اور بھی ارشادات ہیں جو ماحول وفضا کو آلودگی سے محفوظ رکھنے کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فساد کی اصلاح اور اس کا علاج:

اکثر وبیشتر مقامات پر قرآن کریم نے جہاں فساد یا افساد فی الارض اور مفسدین کا تذکرہ کیا ہے، وہیں اس کا علاج اور حل بھی بتلایا ہے، اہل وعیال، سماج ومعاشرہ اور قوم وملت کو فساد اور مفسدین سے کیسے پاک کیا جائے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس مرض کے علاج کے لیے قرآن نے دو نسخے استعمال کیے ہیں۔

۱۔ ہدایت وارشاد، توجیہ وابلاغ اور تحذیر وترہیب کا راستہ، چنانچہ کئی ایک آیتوں میں فساد وافساد سے صراحتاً منع کیا

گیا ہے: ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَ﴾ (الأعراف: ۵۶) اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کردی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ۔

تو کہیں مفسدین پر رب العالمین کے نازل شدہ عذاب وعقاب کو ذکر کر کے تحذیر وترہیب کا طریقہ اپنایا گیا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ (سورۃ الفجر: 11-6) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا ستونوں والے ارم کے ساتھ جس کی مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں ہوئی اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا، ان سبھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور بہت فساد مچا رکھا تھا، آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

اس آیت میں اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے کہ ان اقوام کو اپنی شرارت کا انجام بھگتنا پڑا۔

۲۔ فساد کے علاج واصلاح کا دوسرا طریقہ قصاص وحدود اور عقاب وتعزیر پر مبنی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے سرزمین میں فتنہ وفساد پھیلانے والے افراد کی زجر وتوبیخ اور ان پر نکیل کسنے کے لیے ان کے لیے کچھ سزائیں مقرر کی ہیں، چنانچہ اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جائے، اگر چوری کرے تو ہاتھ کاٹا جائے، اگر زنا کرے تو کوڑے لگائے جائیں اور اگر کوئی مرتد ہوجائے تو اس کو سزائے موت ہو۔

اگر قرآن کے اس علاج پر ہر جگہ عمل ہو اور مفسدین پر شرعی حدود کو نافذ کیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ پوری دنیا امن وشانتی کا گہوارہ بن جائے گی اور فتنہ وفساد، ظلم وزیادتی، فحاشی وانارکی، قتل وغارت گری، فواحش ومنکرات اور جرائم ومظالم کا گراف نہایت ہی کم ہوجائے گا۔

آج بھی جن ممالک میں اسلامی حدود کا قیام ہے، وہاں جرائم وفسادات کی شرح دیگر ممالک کی بہ نسبت بہت ہی کم ہے اس کی سب سے واضح مثال مملکت سعودی عرب ہے جہاں الحمدللہ شرعی حدود کا نفاذ اور اسلامی قوانین کی تطبیق زیر عمل ہے۔

اللہ رب العالمین نظام کائنات کو متوازن رکھنے اور فساد فی الارض کے سدباب کے لیے برابر ایسے افراد تیار کرتا رہتا ہے جو اس فریضہ کو انجام دے سکیں ورنہ زمین پر فساد عظیم برپا ہوجاتا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (البقرہ: ۲۵۱) اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر فضل وکرم کرنے والا ہے۔

آخر میں بارگاہ الٰہی میں التجا ہے کہ ہم تمام لوگوں کو فساد کے انواع واقسام اور اس کے اضرار واخطار کو سمجھ کر ان سے گریز کرنے کی توفیق دے، نیز اگر ہم کسی بھی فساد میں ملوث ہوں تو ہمیں سچی توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

✿✿✿

امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کا الرصافہ کی مسجد والا قصہ کی حقیقت

حافظ عبد الرحمٰن محمد یونس سلفی

قرآن حکیم میں جہاں اللہ تعالی نے عقائد واحکام، بیوع ومعاملات، معاشرتی ومعاشی، سیاسی وسماجی، اخلاقی ومادی وغیرہا جیسے مسائل میں اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے، اس کے ساتھ ہی عبرت ونصیحت کے لیے قصص بھی بیان فرمائے تاکہ پچھلے لوگ پہلے گذرے ہوئے افراد کے حالات پڑھ کر اپنے انجام سنوارنے اور عاقبت بہتر بنانے کی کوشش وکاوش کرلیں۔

قرآنی قصص تو صداقت وسچائی کے اعلی ترین معیار پر فائز ہیں اور داعیان الی اللہ کے لیے میدان دعوت میں مفید اور کارآمد ہیں، قرآن حکیم کے علاوہ بھی (قصے) قوموں کے عروج وزوال اور ان کے اخلاق ورذائل، نصائح وعبر کے لیے واعظین پیش کرسکتے ہیں، لیکن اس کے لیے یہ شرط جزء لاینفک ہے کہ وہ صحیح وسائط وذرائع اور جید اسانید وطرق سے ثابت ہوں، ضعاف ومناکیر اور کذب وجعل سازی پر مشتمل نہ ہوں، عصر حاضر میں بالخصوص اور گذشتہ دور میں بالعموم ایسے خطباء، واعظین پائے جاتے ہیں جو اپنی تقاریر ودروس کے دوران غیر ثابت قصے اور کہانیوں کو رواج دیتے ہیں اور بعض تو مبنی بر جھوٹ اور بے اصل ہوتے ہیں، اور کئی ایک علماء ومحققین نے غیر ثابت اور بے بنیاد قصوں کو مستقل کتب میں یکجا کردیا ہے جس میں جعلی، خود ساختہ من گھڑت اور بے اصل قصے کہانیوں کا مدلل رد کیا گیا ہے، تاکہ خواص وعوام ان قصوں کی حقیقت سے واقف ہوجائیں، جیسے محدث دیار شام علامہ ناصر الدین البانی ؒ کے مشہور تلمیذ رشید ابو عبیدہ مشہور حسن حفظہ اللہ اور ان کے ہمراہ شیخ یوسف بن محمد بن ابراہیم العتیق، شیخ سلیمان بن صالح الخراشی وغیرہم نے ''قصص لا تثبت'' کے عنوان سے اس موضوع پر اچھا خاصا کام کیا ہے، اسی طرح بحرین کے ایک محقق عالم شیخ ابو عبد الرحمٰن فوزی بن عبد اللہ بن محمد الاثری حفظہ اللہ نے ایک کتاب "تبصرة أولي الأحلام من قصص فيهما كلام" مرتب کی ہے جو چھ حصوں پر مشتمل ہے۔

بہرصورت ان مشہور اور غیر ثابت قصوں میں سے ایک قصہ جو اکثر وعظ ودروس کی محافل ومجالس میں طلباء کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جسے بعض علماء نے (عدم واقفیت کی بنا پر) اپنی کتابوں میں بلا تحقیق نقل کردیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کا مسجد الرصافہ والا قصہ ہے جس کی علمی حیثیت اور سند سے متعلق تحقیق محدثین ومحققین نے اپنی کتابوں میں پیش کردی ہے۔

مذکورہ بالا قصہ عموما اس سند کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

"أخبرنا أبو المعمر المبارك بن أحمد الأنصاري قال: أخبرنا محمد بن مرزوق قال: أخبرنا أبوبكر أحمد بن علي بن ثابت قال: أخبرنا محمد بن يوسف القطان النيسابوري قال: أخبرنا محمد بن عبد الله ابن حمدويه، وأنبأنا أبوبكر محمد بن عبد الباقي البزاز قال: أخبرنا هناد بن ابراهيم النسفي قال: أخبرنا يحيى بن ابراهيم بن محمد المزكى، قالا: أخبرنا الزبير بن عبدالواحد قال: حدثنا إبراهيم بن عبد الواحد (البكري) قال: سمعت جعفر بن محمد الطيالسي يقول: صلى أحمد بن حنبل ويحيى بن معين في مسجد الرصافة، فقام بين أيديهم قاص فقال: حدثنا أحمد بن حنبل ويحيى بن معين قالا: حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن قتادة عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: "من قال لا إله إلا الله، خلق الله تعالى له من كل كلمة منها طائرا منقاره من ذهب وريشه من مرجان، وأخذ في قصه نحوا من عشرين ورقة، فجعل أحمد بن حنبل ينظر إلى يحيى بن معين ويحيى ينظر إلى أحمد بن حنبل فقال أنت حدثته بهذا؟ فقال والله ما سمعت بهذا إلا هذه الساعة، قال: فسكتا جميعا حتى فرغ من قصصه، وأخذ القطيعات، ثم قعد ينتظر بقيتها، فقال له يحيى بن معين بيده: تعال! فجاء متوهما لنوال يجيزه فقال له: من حدثك بهذا الحديث؟ فقال: أحمد بن حنبل ويحيى بن معين، فقال: أنا يحيى بن معين وهذا أحمد بن حنبل، ما سمعنا بهذا قط في حديث رسول الله ﷺ، فإن كان لابد من الكذب فعلى غيرنا، فقال له: أنت يحيى بن معين؟ قال: نعم، قال: لم أزل أسمع أن يحيى بن معين أحمق ما تحققته إلا السعة، فقال له يحيى بن معين: كيف علمت أني أحمق؟ قال: كأن ليس في الدنيا يحيى بن معين وأحمد بن حنبل غيركما، قد كتبت عن سبعة عشر أحمد بن حنبل ويحيى بن معين، فوضع أحمد كمه على وجهه وقال: دعه يقوم فقام كالمستهزىء بهما"۔ *(القصاص والمذکرین، جزء ا ص ۳۰۴، تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص جزء ا ص ۱۴۳، اللؤلؤ المرصوع جزء ا ص ۱۹۴)*

یعنی احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہما نے الرصافہ کی مسجد میں نماز ادا کی تو ایک قصہ گو واعظ کھڑا ہوا اور کہا ہم سے حدیث بیان کی احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے، ان دونوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی عبدالرزاق نے (معمر سے اس نے) قتادہ سے اور قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا بیان کیا کہ (نبی ﷺ) نے فرمایا:

"من قال لا إله إلا الله، خلق الله (من) كل كلمة منها طيرا منقاره من ذهب وريشه من مرجان"۔

کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا، اللہ اس کے ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے، اس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور

اس کا پر مرجان کا اور...... لگا رہا ایک طویل قصہ بیان کرنے میں...... پس احمد بن حنبل یحییٰ کی طرف اور یحییٰ امام احمد کی طرف (حیرت سے) دیکھنے لگے، امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: کیا آپ نے اس سے یہ روایت بیان کی ہے؟ تو امام احمد نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم میں نے تو یہ روایت بیان نہیں کی، پس جب وہ قصہ گو فارغ ہوا اور ایک جگہ لی (یعنی وہ کسی جگہ جا بیٹھا) تو امام یحییٰ نے فرمایا: (اور بتاؤ) تم سے یہ قصہ کس نے بیان کیا؟ میں ابن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل، اگر (تمہارے لیے) جھوٹ بولنا ضروری ہی تھا تو ہمارے علاوہ کسی اور پر ہی بول دیتے (ہم پر یہ ظلم کیوں؟) تو اس قصہ گو نے کہا: آپ یحییٰ بن معین ہیں؟ فرمایا: ہاں، تو اس نے کہا: میں سنتا چلا آیا تھا کہ آپ احمق ہیں، پس اس گھڑی میں نے جان لیا۔ (آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں) گویا دنیا میں کوئی اور یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے ہی نہیں، جب کہ ان کے علاوہ میں نے سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نامی راویوں سے روایت لکھی ہیں، پس (یہ سن کر) احمد بن حنبل نے اپنی آستین اپنے چہرے پر ڈال دی اور فرمایا: چھوڑ دو اسے کھڑے ہونے دو، تو وہ اس طرح کھڑا ہوا گویا ان کا مذاق اڑا رہا ہو۔ (یہ موضوع، من گھڑت اور خود ساختہ قصہ ہے)

اس قصہ کو ابن الجوزی ؒ نے ''کتاب الموضوعات'' ج ۱ ص ۴۶) امام ابن حبان نے ''الضعفاء'' (ج ۱ ص ۷۵) امام سیوطی ؒ نے ''اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (ج ۲ ص ۲۹۱) امام علی بن محمد بن علی بن عراق الشافعی ؒ نے ''تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ (ج ۱ ص ۱۴) امام محمد طاہر بن علی فتنی الہندی نے ''تذکرۃ الموضوعات'' اور شیخ علی بن سلطان محمد نے ''الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ'' (ج ۱ ص ۵۳) میں "عن ابراهيم بن عبد الواحد البكري قال: سمعت جعفر بن محمد الطيالسي يقول" کی سند سے روایت کیا ہے۔

شیخ ابو عبد الرحمٰن الفوزی حفظہ اللہ " تبصرة اولى الاحلام من قصص فيها كلام "(مترجم ص ۳۷) میں فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس (روایت) کی یہ سند وضع کردہ ہے، اس میں ابراہیم بن عبد الواحد البکری حدیث کے وضع کرنے سے متہم ہے، مزید دیکھئے الحلبی کی ''الکشف الحثیث'' (ج ۱ ص ۳۹)

امام علی بن محمد بن علی بن عراق الشافعی ؒ "تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاخبار الشنيعة الموضوعة" (ج ۱ ص ۱۴) پر رقمطراز ہیں: "أقر ابن حبان ثم ابن الجوزى هذه الحكاية ولم يطغيا فى إفسادها وأنكرها الذهبي في الميزان في ترجمة إبراهيم بن عبد الواحد البكري: فقال لا أدري من ذا أتى بحكاية منكرة أخاف أن تكون من وضعه فذكر الحكاية المذكورة والله تعالى أعلم".

یعنی امام ابن حبان اور امام ابن الجوزی نے اس مذکورہ بالا قصہ کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے کے بعد اس (روایت) کی سند کی خرابی کی طرف اشارہ نہیں کیا، جبکہ امام ذہبی ؒ نے ''میزان'' میں اس کے (ترجمہ) حالات میں فرمایا: میں نہیں جانتا یہ کون ہے؟ ایک منکر حکایت لایا ہے، میرا خیال ہے کہ اس (ابراہیم بن عبد الواحد البکری) نے روایت گھڑی ہے، یہ احمد بن حنبل اور ابن معین کا الرصافہ کی مسجد میں نماز پڑھنے والی کہانی ہے۔ شیخ ابو الاسجد محمد صدیق رضا اثری حفظہ اللہ ''مشہور واقعات

کی حقیقت'' ص ۳۸ میں رقمطراز ہیں: یہ قصہ اپنی تمام تر شناعتوں اور واضح کمزوریوں اور بودے پن کے باوجود علم حدیث کی کتب اور طلباء و مدرسین حدیث کے درمیان بڑا ہی مشہور و معروف ہے، بہت سے سادہ لوگ بغیر کسی رد و قدح کے اس کو بیان بھی کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب وہ وضع حدیث (حدیث گھڑنے) کے موضوع پر کلام فرماتے ہیں، خود اس ناکارہ کو اہل علم سے سننے کا اتفاق ہوا ہے۔

اس قصہ کا من گھڑت ہونا اس قدر واضح ہے کہ معمولی سوچ بچار سے بھی بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے، اس قصہ پر غور کیجئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم حدیث کے دو چوٹی کے علماء امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ ایک احمق کذاب کے مقابلے میں بالکل ساکت و لاجواب ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے اور وہ احمق ان کا مذاق اڑاتا چلا گیا۔

حالانکہ علم حدیث کا ادنی طالب علم اور کتب جرح و تعدیل اور اسماء الرجال پر سرسری نظر رکھنے والا بھی بخوبی اس بات سے واقف ہے کہ ایک جیسے نام اور ابنیت والے کئی ایک راوی ہیں، لیکن ان میں سے کسی کو کنیت کسی کو نسب کسی کو قوم و قبیلہ اور کسی کو اس کے وطن یا شہر وغیرہ کی نسبت کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے، نیز اساتذہ و شاگردوں کے ذریعے سے بھی ان کا تعین ایک عام طریقہ ہے۔

کیا یہ چوٹی کے محدثین اس سے واقف نہ تھے، یہ کیسے ہوسکتا ہے، یقیناً اگر ایسا ہوتا یہ محدثین اس احمق کذاب سے مختلف سوالات کے ذریعے سے اس دوسرے یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل کا تعین کرواتے پھر اس کی حقیقت بھی اسے بتاتے اور اس طرح اس کا منہ بند کرا کے لوگوں تک اس کی من گھڑت روایات کی حقیقت پہنچاتے لیکن اذ لیس فلیس۔

معلوم ہوتا ہے کہ کذاب راویوں نے محدثین کرام کے خلاف اس قسم کے جھوٹے قصے گھڑ کر علم حدیث کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن علم حدیث کی بنیادیں اس قدر مضبوط ہیں کہ ایسے ہزاروں احمقوں کی کوششیں بھی اسے ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتیں، صدیوں پر محیط لٹریچر اس پر کافی و شافی دلیل ہے۔ والحمد للہ۔(۱)

☆☆☆

(۱) اس کے علاوہ بھی بے شمار من گھڑت ار خود ساختہ واقعات ہیں جو کتابوں میں نقل کئے جاتے ہیں، مجالس میں سنائے جاتے ہیں، حالانکہ بعض اہل علم نے اپنی کتابوں میں پہلے ہی ان کے وضع کی طرف اشارہ کر رکھا ہے، مثلاً خلیفہ مہدی کی کبوتر بازی کا قصہ، جو ایک حدیث "لا سبق الا فی مضل أرحافر" سے متعلق ہے جس میں ایک وضاع کذاب راوی (غیاث بن ابراہیم النخعی) نے لفظ'' أو جناح'' کا اضافہ کر دیا تھا۔ (تاریخ بغداد از خطیب بغداد ۳۲۳/۱۲، المدخل الی کتاب الاکلیل از امام حاکم ص ۱۰۰)

اس قصے کو محدث عصر حافظ زبیر علی زئی اور اور شیخ ابو عبد الرحمٰن الفوزی وغیرہم نے موضوع قرار دیا ہے۔ (دیکھئے'' تبصرۃ اولی الاحلام من قصص فیھا کلام'' مترجم ص ۱۶۷، ۱۶۸)

عبادات (قسط:۴)

نماز باجماعت کے فوائد

تحریر: الشیخ ابوعبداللہ مسند بن محسن القحطانی ترجمہ: محبوب عالم سمیع اللہ مدنی

نماز باجماعت مسلمانوں کی اجتماعیت وقوت کے اظہار کا ذریعہ:

نماز باجماعت کے لیے ایک دن رات میں کئی مرتبہ مسلمانوں کے ایک جگہ جمع ہونے، اور اپنی تعداد کا مظاہرہ کرنے کے سبب ان کی طاقت وقوت کا اظہار ہوتا ہے۔

جماعت کی پابندی اور شکل وشباہت کا اہتمام:

نماز باجماعت سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ غالبا جماعت کی پابندی کرنے والے مسلمان آدمی کو اپنی شکل وشباہت، وضع قطع نیز اپنے کپڑے کی نظافت، خوشبو وغیرہ کا اہتمام کرنے والا بنا دیتی ہے، کیونکہ وہ دن رات اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ایک مسجد میں اکٹھا ہوتا اور ان سے ملاقات کرتا رہتا ہے، برعکس تنہا نماز ادا کرنے والے کے، کہ وہ غالبا اس چیز میں کوتاہی اور تفریط سے کام لیتا ہے، اور ارشاد ربانی: ﴿يا بني آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد وكلوا واشربوا ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين .. الآية﴾ ترجمہ: اے آدم کی اولاد تم ہر کسی مسجد میں حاضری کے وقت اپنی زینت کو لازم پکڑو، اور کھاؤ اور پیو، اور اسراف نہ کرو، بے شک اللہ تعالی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (سورہ اعراف:۳۱) میں دیئے گئے حکم الہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس آیت کے نزول کا خاص سبب ہے مگر یہ تمام بنوآدم کے لیے عام خطاب ہے، کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا، اور اس آیت کے اندر زینت سے مراد وہ لباس ہے جس کو زینت اور خوبصورتی کے لیے پہنتے ہیں، لوگوں کو اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم دیا گیا کہ جب وہ نماز اور طواف کے لیے مسجد میں حاضر ہوں تو حسب استطاعت خوبصورت لباس میں ہی آئیں۔ (فتح القدیر:۲/۲۲۸)

باجماعت نماز تعارف کا ذریعہ:

نماز باجماعت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ پانچوں نماز میں مسجد میں آنے جانے والوں کے لیے تعارف اور الفت ومحبت کا ایک عظیم موقع ہے، اسی طرح سے یہ بہترین موقع ہوتا ہے کہ نمازی آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں خیریت دریافت کرتے رہیں، ان کے احوال وظروف کے بارے میں آگاہی حاصل کرتے رہیں، چنانچہ اسی کے ذریعہ مریض کی عیادت کی جاتی ہے محتاج کی مدد ہوتی ہے، مصیبت زدہ کی دلجوئی بھی ہوتی ہے، اس کے علاوہ بہت سے ایسے امور اس کے واسطے انجام پذیر ہوتے ہیں جن سے آپسی تعلقات کو تقویت ملتی ہے، اور مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

باجماعت نماز اور بھلائی کی طرف عملی دعوت، اور اللہ تعالی کی طاعت میں مسابقت:

باجماعت نماز کی ادائیگی کی خاطر مسجد کے لیے نکلنا اس عبادت کی ادائیگی، نیز اس کے اہتمام کی عملی دعوت دینا ہے، اسی

طرح نماز باجماعت کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ یہ صدق واخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت میں سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، جب ایک نمازی آدمی اپنے دوسرے نمازی بھائیوں کو اللہ کی فرماں برداری میں آگے بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ ان دیگر نمازیوں سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتا ہے اوران اعمال میں بھی جو اس نماز سے متعلق ہیں، مثلا نماز کے لیے مسجد جلدی آنا، سنن مؤکدہ کی ادائیگی کرنا، پابندی کے ساتھ اذکار وادعیہ کا پڑھنا وغیرہ، اور بلاشبہ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم اعمال صالحہ کے ذریعہ ان تمام امور میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں جو ہمیں اللہ کی خوشنودی اوراس کی جنتوں سے قریب تر کردے، چنانچہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: ﴿وفي ذلك فليتنافس المتنافسون﴾ ترجمہ: اور سبقت کرنے والوں کو اسی (یعنی اللہ کی رضا اوراس کی جنت کی نعمتوں کو حاصل کرنے) میں سبقت کرنی چاہیے۔(سورہ مطففین:۲۶)

باجماعت نماز اور مروت وہمدردی:

نماز باجماعت سلامتی مروت کے اسباب میں سے ہے، کیونکہ سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے کہ حالت اقامت یعنی سفر کے علاوہ حالت میں نماز باجماعت کی پابندی کرنا، اور مسجدوں کو لازم پکڑنا، مروت میں سے ہے۔(دیکھئے: مشہور حسن کی تالیف: المروۃ وخوارمھا ص ۳۶)

رہی بات نماز باجماعت سے پیچھے رہنے والے کی تو وہ شخص مروت سے خالی ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ مروت سے تہی دست آدمی کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

امام احمد ؒ نے ایسے شخص کے بارے میں جو جماعت سے پیچھے رہ جاتا ہے، فرمایا ہے کہ بے شک یہ بہت برا آدمی ہے۔(الاوسط فی السنن والاجماع والخلاف، لابن المنذر:۱۳۸/۴)

باجماعت نماز اور سلف امت:

شیخ محمد بن صالح عثیمین ؒ نے فرمایا کہ نماز جماعت کے فائدوں میں سے یہ بھی ہے کہ آخر امت کو اول امت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جوڑ دیتی ہے، اس طرح سے کہ امام کو اس بات کا شعور ہوتا ہے کہ وہ اس جماعت کی امامت کی حیثیت سے اللہ کے رسول ﷺ کے قائم مقام ہے، اور مقتدیوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے جانشین ہیں، اور بلاشبہ اس امت کے اول وآخر کے لوگوں کے درمیان اس طرح کا ربط، امت اسلامیہ کو سلف صالحین نیز ان کے طریقوں کی اتباع کے لیے ترغیب فراہم کرتا ہے، اور کاش کہ ہم جب بھی کوئی عمل مشروع انجام دیں تو اسی احساس وشعور کے زیر اثر انجام دیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اقتدا کررہے ہیں، اور جب انسان کے اندر یہ شعور پیدا ہوجائے گا تو یقیناً وہ اپنے دل کے اندر ایک ایسا قوی محرک پائے گا کہ جس کے باعث وہ سلسلۂ سلف صالحین کا حصہ بن جائے گا، پھر انجام کار وہ شخص عقیدہ وعمل، سلوک ومنہج کے اعتبار سے ایک سچا سلفی بن جائے گا۔ (الشرح الممتع علی زاد المستقنع للشیخ ابن عثیمین:۱۹۵/۴)

☆☆☆

تعلیم وتربیت

تعلیم نسواں اور تربیت کا فقدان

رفیع احمد
ریسرچ اسکالر، جے این یو، نئی دلی

ہر قوم کی تعمیر وترقی کا انحصار اس کی تعلیم پر ہوتا ہے۔ تعلیم ہی قوم کے احساس وشعور کو نکھارتی ہے اور نئی نسل کو زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ سکھاتی ہے۔ قرآن میں والدین کو مربی قرار دیا گیا ہے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت ہی کسی بچے کے مستقبل کا زینہ ہوتی ہے۔ چونکہ بچے ہی قوم اور ملک کے مستقبل ہوتے ہیں، ان کی اچھی تعلیم وتربیت والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دنیا میں جن شخصیات نے اپنا نام روشن کیا اور لوگوں میں معروف ہوئے ان کا تعلق غریب اور متوسط گھرانوں سے تھا۔ ان شخصیات کی کامیابی وکامرانی کے پس پردہ اچھی تعلیم وتربیت اور جہد مسلسل کار فرماں رہی ہے۔

نظام تعلیم ہی آدم گری کا وہ قالب ہے جس میں شیریں شخصیت، ان کی صحیح نشوونما، تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کے آداب سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ قوم کے حال اور مستقبل کی تعمیر کے لیے اسکولوں اور کالجوں کا رول عیاں راچہ بیاں ہے۔ یہی وہ تربیت گاہیں ہوتی ہیں جہاں معصوم شگوفوں کو تعلیم وتربیت کے قالب میں ڈھال کر صحیح انسان بنایا جاتا ہے۔ طلبا کو علم کے نور سے آراستہ کیا جاتا ہے، جہاں حق وباطل کی تمیز سکھائی جاتی ہے اور تہذیب وتخریب کے درمیان فرق بتایا جاتا ہے۔ انسان دوستی، فکر آخرت اور خدا پرستی کے سبق پڑھائے جاتے ہیں، جہاں مقصد زندگی کا پیغام سنایا جاتا ہے۔ اسکول اور کالج ایک ماں کی طرح طلبا کو علم وآگہی کا دودھ پلا پلا کر جوان کرتے ہیں، ان کو صلاحیتوں اور قابلیتوں کا تحفہ عطا کرتے ہیں تاکہ وہ آگے سکون واطمینان سے زندگی کے ہم سفر بن جائیں۔

ابتدائی دور میں تعلیم کے ساتھ تربیت جزء لاینفک کی طرح ہوا کرتی تھی، مگر اب تعلیم محض تعلیم ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں اخلاقی اقدار، پاکیزہ معاشرت پر زور نہیں دیا جاتا، بلکہ کتابوں کے پڑھا دینے یا نفس مضمون کے رٹا دینے اور اس کے متعلق نوٹس تیار کرا دینے پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے بے جا اختلاط پر نہ کوئی روک ٹوک ہے اور نہ ہوٹل بازی وپارک بازی پر کوئی قدغن، گویا تعلیم وتربیت دونوں الگ الگ جزء ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی لڑکیاں تعلیم یافتہ تو ہوتی ہیں لیکن تربیت یافتہ بہت ہی کم!

تعلیم کے ساتھ تربیت کے اس فقدان کو گھر کے ماحول میں دور کیا جا سکتا ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ جتنی اچھی تربیت والدین کر سکتے ہیں دوسرا کوئی نہیں کر سکتا بشرطیکہ انھیں اس کا احساس ہو اور پوری فکر بھی۔ پرانے دور میں جب تعلیم کی کمی تھی، والدین میں یہ احساس پوری شدت سے کار فرما تھا، تربیت کے معاملے میں کسی طرح کی تساہلی یا بے اعتنائی گوارا نہیں کی جاتی

تھی۔ تعلیم وتربیت کے اسی عمومی ماحول کا اثر ہے کہ جماعتِ صحابیات میں بلند پایہ اہل علم خواتین کے ذکرِ جمیل سے آج تاریخ اسلام کا ورق ورق درخشاں وتاباں ہے۔ چنانچہ یہ امر محقق ہے کہ امہات المومنین میں حضرت عائشہ وحضرت ام سلمہ فقہ وحدیث وتفسیر میں رتبۂ بلند رکھنے کے ساتھ ساتھ تحقیق ودرایت کے میدان کی بھی شہہ سوار تھیں۔ حضرت ام سلمہ کی صاحبزادی زینب بنت ابوسلمہ اعلیٰ درجے کی فقیہ اور عالمہ تھیں۔

پھر یہ زریں سلسلہ دورِ صحابیات تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ تابعیات اور بعد کی خواتین کے زمانوں میں بھی ہمیں اس طبقے میں بڑی بڑی عالمہ، زاہدہ اور امت کی محسنہ وباکمال خواتین ملتی ہیں۔ چنانچہ نفیسہ جوحسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت اسحاق بن جعفر کی اہلیہ تھیں، انھیں تفسیر وحدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی درک حاصل تھا، ان کے علم سے خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں کی بھی معتد بہ تعداد نے سیرابی حاصل کی، حضرت امام شافعی جیسے رفیع القدر اہل علم دینی مسائل پر ان سے تبادلہ خیال کرتے تھے۔

لیکن عصر حاضر کا یہ تعلیمی نظام معصوم طلبا وطالبات کے لیے وبال جان بن چکا ہے۔ رائج الوقت تعلیمی نظام میں جوابدہی کا فقدان ہے۔ سیاسی مداخلت، کرپشن، کام چوری اور سینہ زوری کا دور دورہ چلتا ہے، غیر تدریسی عملے کی ہڑتالیں، رہبر تعلیم کی نعرہ بازیاں، ٹیچروں کی ہاہاکار، بلاضرورت چھٹیاں، لیکچرار صاحبان کا احتجاج اور پرنسپل صاحبان کی بلا وجہ مصروفیات۔ یہ سب بوسیدہ تعلیمی نظام کی خامیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اسے بدقسمتی کہئے یا وقت کی ستم ظریفی کہ جب بھی کسی مردم شماری کا وقت آتا ہے تو صرف اساتذہ کرام کو ہی اس کام کے لیے مناسب سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح سے تعلیم وتربیت، علم وادب اور نظم ونسق کے بجائے یہ تعلیمی ادارے سیاست کے اڈے بن چکے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں حقیقی معنوں میں درس وتدریس کا فقدان ہے، کالجوں اور اسکولوں کی یہ ابتر حالت ہمارے لیے چشم کشا ہے۔

مغرب کی ناقص تعلیم کے ساتھ وہاں کی تمام اخلاقی بیماریاں بھی مسلمانوں میں پھیلتی جارہی ہیں، اور یہ ایک ایسا سیل رواں ہے کہ اس میں ایمان تک بہاجارہا ہے، ایسے نازک حالات میں والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنی بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت پر خاص توجہ دیں۔ صرف تعلیم دلانا ہی کافی نہیں، بلکہ تربیت بھی ضروری ہے۔ اور اگر تربیت نہ ہوئی تو ایسا علم مفید ہونے کے بجائے وبال جان ووبال ایمان بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ آج کل کی لڑکیوں کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزرتا ہے۔ اور اگر گھر میں رہتی ہیں تو اکثر موبائل فون پر مصروف رہتی ہیں، تعلیم کے نام پر ان کو ساری آزادیاں حاصل ہیں، عریانیت کے سیل رواں کے سامنے ان کے پاؤں ٹک نہیں پارہے ہیں، اور اس تیز بہاؤ میں ان کے چہرے کا نور، آنکھوں کی حیا، باتوں میں شرم، سر کا دوپٹہ، اور رہن سہن سے نسوانیت سب کچھ بہا چلا جارہا ہے، پھر بھی وہ خوش ہیں کہ وہ زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور شانہ بشانہ ہیں، اور والدین مطمئن ہیں کہ اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کررہے ہیں۔

❁❁❁

اخبار جامعہ

☆ جامعہ سلفیہ میں عرب مہمان کی آمد:

جامعہ سلفیہ بنارس میں شیخ خالد بن محمد بن غانم آل ثانی ایک وفد کے ہمراہ ۲۵/فروری ۲۰۱۵ء بروز بدھ تشریف لائے۔ ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود صاحب، مولانا احسن جمیل صاحب مدنی، شیخ الجامعہ ودیگر اساتذہ کرام نے وفد کا استقبال کیا۔ وفد نے جامعہ کے شعبہ جات کا معائنہ کیا اور ناظم صاحب کے ہمراہ تناول ما حضر فرمایا اور شام کو دہلی کے لیے روانہ ہوگئے۔

☆ شیخ اسعد اعظمی کی عالمی کانفرنس میں شرکت:

جامعہ سلفیہ کے فاضل استاذ شیخ اسعد اعظمی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی ذیلی کمیٹی علماء کرام کا عالمی ادارہ کی میٹنگ نیز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس بعنوان: ''انسداد دہشت گردی اور اسلام'' میں شرکت کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

آپ نے اپنے قیام کے دوران مذکورہ بالا پروگراموں میں شرکت فرمائی، نیز مدینہ منورہ بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی اخوان واعیان سے آپ کی ملاقات ہوئی۔

☆ قرآن کریم حفظ وتجوید کا مسابقہ:

جامعہ سلفیہ بنارس میں ۱۸-۱۹/ مارچ ۲۰۱۵ء بروز بدھ وجمعرات قرآن کریم کے حفظ کا مسابقہ منعقد کیا جارہا ہے، جس میں شرکاء کے لیے حفظ کے ساتھ تجوید کے قاعدوں کی رعایت بھی ضروری ہے۔

یہ مسابقہ تین زمروں پر مشتمل ہوگا:

۱- مکمل قرآن کریم ۲-۲۰/ پارہ ۳-۱۰/ پارہ

☆ تعلیم کے اوقات میں تبدیلی:

یکم مارچ ۲۰۱۵ء سے جامعہ میں اوقات تعلیم میں تبدیلی کردی گئی۔ اب تعلیم صبح ۷:۱۵ سے ۱۲:۴۵ بجے تک ہے۔ یہ اوقات ۳۱/ مارچ تک رہیں گے۔

☆ ندوۃ الطلبہ کا سالانہ تقریری مقابلہ:

جامعہ سلفیہ کے طلبہ کی انجمن ندوۃ الطلبہ کے زیر نگرانی منعقد ہونے والے ہفتہ واری تقریری پروگرام کے اختتام کے بعد اب مختلف زبانوں میں سالانہ انعامی مقابلے منعقد ہورہے ہیں، جس کی پہلی نشست ۱۲/ مارچ کو بزبان اردو عالم اول اور عالم ثانی کے طلبا کے لیے منعقد ہوگی۔ اس کی آخری نشست ۱۶/ اپریل کو منعقد ہوگی۔ اس کی تفصیلات بعد میں شائع کی جائیں گی۔ ☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

مکہ مکرمہ میں منعقدہ عالمی کانفرنس ’’انسداد دہشت گردی‘‘:

انٹرنیشنل آرگنائزیشن فارمسلم اسکالرز ’’رابطۃ العالم الاسلامی‘‘ مکہ مکرمہ، سعودی عرب کی جانب سے منعقدہ ۲۲ تا ۲۵ فروری ۲۰۱۵ء بعنوان: ’’اسلام اور دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ جس میں دنیا بھر سے معروف علمی شخصیات واسلامی اسکالرز ودانشوران نے شرکت فرمائی۔

مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کی مذکورہ کانفرنس سے خطاب میں سعودی فرماں رواشاہ سلمان بن عبدالعزیز نے کہا کہ انتہا پسند مسلمان نہ صرف مسلمانوں کے لیے خطرہ ہیں، بلکہ دنیا بھر میں مذہب اسلام کی امیج خراب کررہے ہیں اور مذہب اسلام کے تشخص کو داغدار کررہے ہیں۔ شاہ سلمان نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ مسلم اقوام کو اس وقت اسلام کے نام پر دہشت گردی کی دراندازی کے خطرہ کا سامنا ہے، اس لیے کہ اس دہشت گردی نے اسلامی دنیا کی سرحدوں کو پامال کردیا ہے، انتہا پسند اسلام کے مسخ شدہ بینر تلے دین کے ایک ایسے ورژن کے علمبردار بنے ہوئے ہیں جس سے مسلمانوں کے خلاف منافرت پھیل رہی ہے اور مسلم مخالف رائے کو ہوامل رہی ہے، جس کی بناپر مسلمانوں کو آج جرم، خوف اور تشویش کا ذریعہ خیال کیا جارہا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ ہماری قوم کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ ان گمراہ دہشت گردوں سے لاحق ہے، جو اسلام کے نام پر ایسے جرائم کے مرتکب ہورہے ہیں، جن کا اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس سے مسلم اقوام ہی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ شاہ سلمان نے اپنے پیغام میں اسلامی رواداری، اعتدال پسندی اور عفو ودرگذر کی تعلیمات کو عام کرنے پر زور دیا۔

علاوہ ازیں مصر کی معروف اسلامی درسگاہ جامعہ ازہر کے خطیب ڈاکٹر احمد الطیب نے اس عالمی کانفرنس سے خطاب میں کہا کہ شدت پسندی کی بنیادی وجوہات قرآن اور سنت پر مبنی غلط تشریحات ہیں۔

مذکورہ عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے جہاں پوری دنیا بھر سے عالمی وعلمی سرکردہ شخصیات نے شرکت کی، وہیں ہمارے ملک ہندوستان سے معروف علمی اور سنجیدہ شخصیات نے بھی شرکت فرمائی، ان میں سرفہرست جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس سے شیخ اسعد اعظمی، ایڈیٹر صوت الامۃ، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی مولانا اصغر علی مدنی، سید ارشد مدنی، دیو بند، سید احمد بخاری، دہلی اور خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہم بطور خاص شرکت فرمائی۔

(العالم الاسلامی: ۲۰۱۵/۲/۲۲ء)

☆☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

معلوم ہو کہ ہمارے یہاں کیرلا میں تنظیم کو لے کر ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ دین کی دعوت کے لئے تنظیم بنانا ناجائز ہے کیونکہ تنظیم کے ذریعہ حزبیت، فرقہ پرستی اور تقلید پیدا ہوتی ہے، اسی طرح رسول اور صحابہ کرام نے کبھی کوئی تنظیم نہیں بنائی۔ لہذا دین کی دعوت کے لئے تنظیم بنانا بدعت ہے کیونکہ دعوت توقیفی ہوتی ہے اور اس طرح کی تنظیم میں داخلہ کے وقت ممبروں سے تنظیم کے امور بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے حلف وعہد و پیمان لیتے ہیں، حالانکہ حلف لینا رسول اور صحابہ سے ثابت نہیں ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں جائز ہے تو کیا ایسی تنظیم جس میں صدر، سکریٹری اور خزانچی وغیرہ ہوں، اس طرح کی تنظیم بنانے کے لئے قرآن وحدیث میں کوئی دلیل ہے؟ جس کے ذریعہ ثابت ہوتا ہو کہ ایسی تنظیم بنانا جائز ہے؟ مفصل جواب درکار ہے۔ عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہونا چاہئے کہ دین اسلام کے قیام وبقا کے لئے امر بالمعروف والنہی عن المنکر ضروری ہے، اس کو دعوت وتبلیغ کا نام دیا جاتا ہے اس کے فروغ واشاعت کے لئے مختلف اسالیب وطریقے ہیں جن کو بروئے کار لا کر ہی اس کا پورا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ دین کے غلبے اور دفاع کے لئے جدوجہد، کو منظم صورت میں انجام دینے کے لئے تنظیم کا قیام از حد ضروری ہے اور اس کے ثبوت کے لئے بہت سے دلائل ہیں من جملہ ان دلائل کے نماز ہی کو مثال کے طور پر لیجئے، اسے صحیح وقت اور صحیح شکل میں ادا کرنے کے لئے امام کا انتخاب اور بہتر امام کا انتخاب، پھر مؤذن کا انتخاب اور صف بندی میں اکبر واصغر کا لحاظ کیا یہ ساری چیزیں اس بات کی دلیل نہیں کہ نماز کو بحسن وخوبی ادا کرنے کے لئے پسندیدہ ذمہ داروں کو چننا ضروری ہے۔

اسی طرح امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دینے کے لئے کیا تنظیم ضروری نہیں؟ یہ چیز دور نبوی اور ادوار خلفائے راشدین اور دوسرے ملوک کے زمانے میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ اس کا انکار کرنا مثل سورج کا انکار کرنا ہے۔

اسی طرح زکوۃ کا مسئلہ ہے۔ اس کو وصول کرنے کیلئے محصل، محاسب اور تقسیم کرنے والے کا انتخاب سارے اسلامی ادوار میں پایا جاتا رہا ہے، بلکہ اسلام کا کوئی بھی اہم کام ہو، اس میں انتظام کی جھلک ضرور نظر آتی ہے، اس لئے حافظ ابن تیمیہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: "وكل بشر على وجه الأرض فلابد له من أمر ونهي ولابد أن يأمر وينهى حتى لو أنه وحده لكان يأمر نفسه وينهاها إما بمعروف وإما بمنكر كما قال تعالىٰ : إن النفس لأمارة بالسوء (یوسف:۵۳) فإن الأمر هو طلب الفعل وارادته والنهى طلب الترك وارادته ولابد لكل حي من ارادة وطلب فى نفسه يقتضى بهما فعل نفسه ويقتضى بهما فعل غيره إذا أمكن ذلك فإن الإنسان حي يتحرك بارادته، وبنو آدم لا يعيشون إلا باجتماع بعضهم مع بعض وإذا اجتمع اثنان فصاعداً فلابد أن يكون بينهما ائتمار بامر وتناه عن أمر ولهذا كان أقل الجماعة فى الصلوة اثنين كما قيل: الاثنان فما

فوقهما جماعة لكن لما كان ذلك اشتراكا فى مجرد الصلوة حصل باثنين احدهما امام والآخر مأموم كما قال النبى ﷺ لمالك بن الحويرث وصاحبه إذا حضرت الصلوة فأذنا وأقيما وليؤمكما أكبركما وكانا متقاربين فى القرأة واما الأمور العادية ففى السنن أنه ﷺ قال لا يحل لثلاثة يكونون فى سفر إلا أمروا عليهم أحدهم. (مجموع الفتاوی:۲۸/۱۶۸،۱۶۹)

اس عبارت کا مطلب مختصر طور پر یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور یہ باہم مل کر ہی زندگی بسر کرسکتا ہے اور ایسی صورت میں کوئی آمر ہوگا اور کوئی مأمور۔ چنانچہ نبی ﷺ کے زمانے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی سفر میں ہو تب بھی ایک مقتدی ہوگا اور دوسرا امام یا یوں کہئے کہ اگر سفر میں تین ہوں تو ان میں ایک امیر ہو۔ بہرحال شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس تحریر سے ثابت ہوگیا کہ تنظیم بنانا اور اس کے لئے ذمہ دار منتخب کرنا بدعت نہیں بلکہ مسنون اور ضروری ہے۔ جو حضرات بدعت کہتے ہیں وہ نصوص قرآن وحدیث سے نابلد ہیں۔ جو چیز دور نبوی سے چلی آرہی ہے اور آج تک کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ اس کی ضرورت کا سب کو احساس ہے اسے بدعت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تنظیم کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اور اسلاف کے عمل سے نہ ہوتا پھر بھی یہ بدعت نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے امر بالمعروف والنہی عن المنکر کو حسب استطاعت اسلام نے تمام مسلمانوں پر ضروری اور واجب قرار دیا ہے اور اس حکم الٰہی کو بحسن وخوبی تنظیم کی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے تو کیا ایسی شکل جس سے حکم الٰہی کی تعمیل اچھے طور پر انجام دیا جائے اور جس کی کوئی قید شریعت میں نہ آئی ہو بدعت ہوجائے گی۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ علم دین کی نشر واشاعت کے لئے نہ جانے کتنے مدارس ومکاتب اور یونیورسٹیاں عالم اسلام میں قائم ہیں۔ ان میں صدر، نظماء اور محاسبین اور نہ جانے کتنے ذمہ دار حضرات پائے جاتے ہیں جو ان اداروں کو چلانے میں مصروف ومشغول ہیں۔ بتائیے یہ دعوت وتبلیغ نہیں ہے؟ ضرور ہے۔ اس شکل کو آج کوئی بدعت قرار نہیں دے سکتا، کیونکہ منشا علم دین کی تبلیغ ہے اور شارع کو یہی مطلوب ومقصود ہے۔ اس کی ظاہری شکل یقیناً دور نبوی میں ہو بہو نہیں۔ پھر بھی تمام لوگ اجتماعی طور پر اس پر کاربند وعامل ہیں۔ تنظیم کو بدعت کہنے والے بھی اور دوسرے حضرات بھی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تنظیم کو بدعت قرار دینا بذات خود ایک نئی بدعت ہے۔ ایسی باتوں سے ہمیں محفوظ رہنا چاہیے۔

ہاں اگر تنظیم برائے تنظیم ہو، مقصود اصلی دعوت دین اور تبلیغ اسلام نہ ہو بلکہ حصول زر اور جاہ ومنصب ہو تو یہ بہت ہی خراب بات ہے اور اگر جدید تنظیم سے مقصود وغرض باہمی افتراق وانتشار ہو تو یہ جرم عظیم ہے۔ اللہ سے دعاء ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو دین اسلام کا مخلص خادم بنائے اور جب تک زندہ رکھے اسی کی خدمت میں لگائے رکھے۔

والله أعلم بالصــواب

دار الإفتاء

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆